تعمیرِ حیات

پندرہ روزہ — لکھنؤ

مجلس صحافت و نشریات دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

جلد ۲۹ | ۱۰ر جولائی ۱۹۹۲ء | مطابق ۸ر محرم ۱۴۱۳ھ | شمارہ ۱۴

سرپرست

مولانا معین اللہ ندوی

نائب ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ

ادارۂ تحریر

شمس الحق ندوی

محمود الازہار ندوی

مشاورت

مولانا نذر الحفیظ ندوی — مولانا سلمان حسینی ندوی

مولانا محمد خالد ندوی — مولانا عبد اللہ حسنی ندوی

مولانا محمد رضوان ندوی — ڈاکٹر ہارون رشید

خط وکتابت و منی آرڈر کا پتہ

منیجر تعمیر حیات پوسٹ بکس ۹3

ندوۃ العلماء لکھنؤ 226007 (یوپی)

زرِ تعاون ملکی

سالانہ — پچاس روپے

فی شمارہ — ۲/۲۵

بیرون ملک فضائی ڈاک

ایشیائی ۔ یورپی ۔ افریقی و امریکی ممالک

۲۵ ڈالر

بیرون ملک بحری ڈاک

بحری ڈاک جملہ ۱۰ ڈالر

لوٹ :-

ڈرافٹ سکریٹری مجلس صحافت ونشریات لکھنؤ کے نام سے بنائیں، اور دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر روانہ کریں

اس دائرہ میں اگر سرخ نشان ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس شمارہ پر آپ کا چندہ ختم ہو چکا ہے، لہذا اگر آپ چاہتے ہیں کہ دین وادب کا یہ خادم ندوۃ العلماء کا ترجمان آپ کی خدمت میں پہونچتا رہے تو سالانہ چندہ مبلغ پچاس روپے بذریعہ منی آرڈر دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر ارسال فرمائیں

چندہ یا خط بھیجتے وقت اپنا خریداری نمبر لکھنا نہ بھولیں

نمبر یاد نہ ہونے کی صورت میں جس نام و پتہ پر تعمیر حیات جاتا ہے اسکی صراحت منی آرڈر کوپن پر ضرور کریں

اور اگر جدید خریدار ہیں تو بھی صراحت ضروری ہے

شمس الحق ندوی

دعوتِ اسلامی کے تین محاذ

دنیا کی موجودہ فضا اور حالات میں اگر امت مسلمہ کے حالات کا جائزہ لیا جائے اور دیکھا جائے کہ خود مسلمانوں میں دعوت کا کام کرنے کے لئے کن کن محاذوں پر کس سطح سے کام کرنے کی ضرورت ہے تو محسوس ہوگا کہ مسلمان اس وقت پوری دنیا میں تین قسموں میں بٹے ہوئے ہیں۔ مسلمانوں کی ایک قسم تو وہ ہے جو اس سامراجی ذہنیت سے متاثر ہے جو منظم طریقہ پر مسلمانوں کو اسلام سے بدگمان اور دور کرنے کے منصوبہ سے چلائی گئی، — اور ایک قسم وہ ہے جو مسلمان ہے اور اسلام کے کچھ احکامات پر عمل بھی کرتی ہے لیکن اخلاقی، سماجی اور معاشرتی طور پر اس کا جو کردار سامنے آتا ہے وہ کسی طرح سے بھی اسلام کی نمائندگی نہیں کرتا ہے۔

ایک قسم ان مسلمانوں کی ہے جو غیر مسلم اکثریت کے ساتھ رہتے ہیں۔ ان کا اسلامی مدارس ومراکز سے کوئی تعلق نہیں جس کے نتیجہ میں نہ صرف یہ کہ وہ اسلام کی بنیادی اور موٹی موٹی چیزوں روزہ نماز اور حج تک سے ناواقف ہیں بلکہ ان میں بہت سی باتیں غیر مسلموں کے طور طریق اور رسم ورواج کی داخل ہو گئی ہیں۔

پہلی قسم جو جدید پڑھے لکھے لوگوں یا یورپ میں تربیت پانے والے سربراہان مملکت اور لیڈروں یا سیاسی لوگوں کی ہے۔ سامراج اور یورپ کی تعلیم وتربیت نے ان کے ذہنوں کو اسلام کی طرف سے مسموم کر دیا ہے۔ ان کو یہ باور کرا دیا کہ اسلام ایک ایسی طاقت ہے جو از کار رفتہ اور ختم ہو چکی ہے وہ قیادت تو کجا اپنے وجود وبقا تک کی سب صلاحیتوں کو کھو چکا ہے وہ اس بندوق کی مانند ہے جو اپنا کارتوس چلا چکی ہے اور اب خالی ہے یہ قسم پڑھے لکھے اور جدید افکار ونظریات سے متاثر لوگوں کی ہے۔

ایسے لوگوں کو اسلام کی طرف از سر نو بازگشت کے لئے ایسا طاقتور مدلل لٹریچر تیار کرنے کی ضرورت ہے جو اسلام پر ان کے اعتماد کو پھر سے بحال کر سکے۔ اس طبقہ کی زیادہ فکر کرنے کی ضرورت ہے اس لئے کہ یہی وہ طبقہ ہے جو اپنی سیاسی سرگرمیوں یا حکومت و اقتدار کی وجہ سے ملک و معاشرہ پر اثر انداز ہوتا ہے، یہی نصاب و نظام تعلیم بناتا ہے یہی ملک کے اصول وضوابط متعین کرتا ہے اور جو اقتدار میں نہیں وہ دوسرے ذہنوں کو متاثر کرتے ہیں۔ لیکن اس طبقہ میں دعوت کا کام ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں یہاں وہی اہل قلم دعوت کی خدمت انجام دے سکتے ہیں جن کا مطالعہ متنوع اور گہرا ہو، دنیا کے مختلف ملکوں کے رجحانات اور ذہنیتوں سے واقف ہوں جدید قوانین پر بھی ان کی نظر ہو تاکہ پوری قوت کے ساتھ مدلل طریقہ پر اسلام کی وکالت کر کے ان ذہنوں کو صاف کر سکیں جن میں اسلام کی طرف سے اس کی ہمہ گیری اور زندگی کے ہر میدان میں رہنمائی کی طرف سے شکوک وشبہات پیدا کر دیئے گئے ہیں۔ یہاں ہم بس اتنا ہی کہہ سکتے ہیں کہ

کس میدان درکی آید سواراں را چہ شد

دوسری قسم وہ ہے جو مسلمان ہے اسلام کی کچھ چیزوں پر عمل بھی کرتی ہے، لیکن اخلاقی، سماجی اور معاشرتی طور پر اس کی جو تصویر سامنے آتی ہے اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ اس طبقہ میں دعوت کا کام کرنے کے لئے پبلک جلسوں ملاقاتوں اور اسلامی اخلاق ومعاملات کے موضوع پر تقریروں کے ذریعہ ان کی تربیت کی ضرورت ہے، ان کے اندر یہ احساس و شعور بیدار کرنے کی ضرورت ہے کہ مسلمان کی زندگی کا ہر ہر عمل اگر دین وشریعت کی روشنی میں کیا جائے تو عبادت ہے اور ایسا نہ کرنے پر دنیاوی زندگی میں بھی مصائب پریشانیاں پیش آتی ہیں آخرت کی گرفت وسزا تو متعین ہے ہی۔

مگر اس طبقہ میں دعوت کا کام کرنے کے لئے ایثار و قربانی کی ضرورت ہے وقت لگانے اور مشقت جھیلنے کی ضرورت ہے دعوت کا کام ہے ہی ایسا کہ مشقت کے بغیر نہیں ہو سکتا، تمام انبیاء کرام علماء ربانیین کی زندگیاں اس کا کھلا ہوا ثبوت ہیں۔ صرف کہنے اور لکھنے سے کام نہیں ہوتا اس کے لئے تو محنت ومشقت کی ضرورت ہے۔

درس حدیث

مسلم معاشرہ کا امتیازی نشان اخوت و بھائی چارگی

ڈاکٹر محمد لقمان اعظمی ندوی — ترجمہ شمس الحق ندوی

ارشاد ربانی ہے:

"یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِیرًا مِنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ وَلَا تَجَسَّسُوا" الآیہ

اے اہل ایمان! بہت گمان کرنے سے احتراز کرو کہ بعض گمان گناہ ہیں اور ایک دوسرے کے حال کا تجسس نہ کیا کرو۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:

"إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ، فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الْحَدِيثِ، وَلَا تَحَسَّسُوا وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا تَنَاجَشُوا وَلَا تَحَاسَدُوا، وَلَا تَبَاغَضُوا، وَلَا تَدَابَرُوا وَكُونُوا عِبَادَ اللهِ إِخْوَانًا"

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بدگمانی سے بچو، بدگمانی سب سے جھوٹی بات ہے، اور کسی کی بات کان لگا کر نہ سنو، کسی کے عیب کی جستجو نہ کرو، دام دے کر قیمت نہ بڑھاؤ، آپس میں حسد نہ کرو، آپس میں بغض وعداوت نہ رکھو، ایک دوسرے سے مقاطعہ نہ کرو اور ہو جاؤ اللہ کے بندے بھائی بھائی۔

اعتقاد و تصور کے اعتبار سے بھی اسلام ممتاز خصوصیات کا مالک اصول و طریقہ رکھتا ہے اور پوری زندگی کو مربوط و منظم رکھنے کے لئے بھی اس کا خاص قانون وضابطہ ہے، ان اخلاقی اصول و اقدار کے اعتبار سے بھی جن پر باہمی روابط و تعلقات کی عمارت کھڑی ہوتی ہے اسلام کا ایک مخصوص نہج وطریقہ ہے (جو دنیا کے کسی دین اور قانون میں نہیں پایا جاتا) یہ وہ ضابطۂ حیات ہے جو پوری انسانیت کی قیادت ورہنمائی کے لئے آیا ہے (کسی خاص ملک اور قوم ونسل کے مخصوص نہیں) لہذا ایک ایسے معاشرہ کا وجود ضروری ہے جو باہم الفت ومحبت، اور ربط وتعلق کے داعی اس ضابطۂ حیات کا عملی نمونہ ہو، تاکہ وہ انسانیت کی رہنمائی و قیادت کا حق ادا کر سکے، اور یہ عملی محبت و اخوت دوسری قوموں کے لئے سنگ میل کا کام دے سکے کہ اس کو دیکھ کر عمل کا شوق وجذبہ پیدا ہو، اسی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اخوت کے مفہوم کی گہرائی وگیرائی کو بیان فرمایا اور اس کے دور رس اثرات کی وضاحت فرمائی، اور ان تمام باتوں کو بیان فرما دیا جو اخوت کے شیرازہ کو منتشر کرتی ہیں، اس میں دوری اور خلل پیدا کرتی ہیں۔ ان میں سب سے نقصان دہ اور مضر بدگمانی ہے، دوسروں کے عیوب کی ٹوہ اور فکر میں لگنا ہے، باہم نامعقول فخر وغرور کا مظاہرہ ہے، مادیت پرستی اور انانیت ہے، انھیں چیزوں میں خریداری کی نیت کے بغیر سودا بیچنے والے کو فائدہ پہنچانے یا خریدار کو نقصان پہنچانے کے خیال سے دام کو بڑھانا بھی شامل ہے، باہم حسد اور بغض وعناد یہ وہ تمام چیزیں ہیں جو محبت واخوت کی راہ میں رکاوٹ ڈالتی ہیں (بلکہ فتنہ کی آگ بھڑکاتی ہیں) اسی لئے حدیث کی ابتدا آگاہی اور ڈرانے کے انداز میں ہوئی ہے (خبردار بدگمانی سے بہت دور رہو) اس آگاہی اور ڈرانے کے بعد ان چیزوں کو بیان فرمایا جو اخوت کی راہ میں حائل ہوتی ہیں، اور ان سے بچنا اس وقت تک ممکن نہیں جب تک ان دو بنیادی باتوں کا خیال نہ کیا جائے جن پر اسلامی معاشرہ قائم ہوتا ہے، یہ دونوں ضروری باتیں ایمان اور باہم ہمدردانہ روابط وتعلقات ہیں،

- خدا پر ایمان اور زندگی کے ہر ہر لمحہ میں اس کا خوف اور پاس ولحاظ۔
- اللہ کے لئے بھائی چارگی ہی وہ چیز ہے جو امت مسلمہ سے وہ زندہ، قوی اور محکم ومضبوط مادہ وجود میں لاتی ہے جو انسانی زندگی میں اپنا مؤثر رول ادا کرنے کی صلاحیت کا مظاہرہ کرتی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کو ڈراتے ہیں ان کو حکم دیتے ہیں کہ وہ بدگمانی سے بچیں، دل میں پیدا ہونے والے ہر خیال وگمان اور شک وشبہ کو قبول کر لینے کے لئے اپنے نفس کو آزاد نہ چھوڑ دیں کہ دوسروں کے متعلق دل میں جو بھی خیال آئے اس کو حقیقت سمجھ لیں اور اس کے تقاضہ پر عمل کر بیٹھیں۔ اسلام اصلاً تو بدگمانی سے بچنے کا مطالبہ کرتا ہے لیکن چونکہ انسان کو یہ نہیں معلوم کہ اس کا کون سا گمان گناہ ہوگا۔ لہذا سرے سے گمان ہی سے منع فرمایا اس تعلیم کے ذریعہ ہر فرد مومن کے باطن کو اس کے دل وضمیر کو پاک کرنا مقصود ہے کہ کہیں وہ بدگمانی میں مبتلا ہو کر سزاوار گناہ نہ ہو جائے۔

حدیث کا منشا یہ ہے کہ بندۂ مومن کا دل بے جا خیالات اور شکوک وشبہات سے صاف شفاف رہے، پاک رہے، اس میں مسلمانوں کے لئے ایسی پاکیزہ محبت ہو جس کو بدگمانی داغدار نہ کر سکے، وہ بے گناہی ہو جو شک کی پراگندگی سے محفوظ ہو، وہ اطمینان قلب ہو جس کو تذبذب اور امید بے جا قلجان میں نہ ڈالے، ایسے معاشرہ کی زندگی کتنی خوشگوار وسکون بخش ہوتی ہے جو معاشرہ بدگمانی کی لعنت سے پاک ہو، اس میں باہم اعتماد وحسن ظن کی کیسی فضا پائی جاتی ہے۔

اسلام نے اسی پر بس نہیں کیا کہ دلوں کو وہم وگمان سے پاک کر دے بلکہ مسلم معاشرہ میں باہم ایک دوسرے کے ساتھ برتاؤ اور معاملہ کرنے کا ایک اصول مقرر کر دیا، یہ وہ اصول ہے جو اسلامی معاشرہ میں زندگی گذارنے والوں کے حقوق کی پاسداری کرتا ہے اسی لئے آپ نے آگے فرمایا اور کسی کی بات کو چھپ کر، کان لگا کر مت سنو، یہ دیکھ کر عقل انسانی حیران رہ جاتی ہے کہ انسان کے شرف وکرامت اور اس کی آزادی کی حفاظت کا حدیث کے ان الفاظ میں کتنی باریک بینی سے خیال رکھا گیا ہے۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس قابل رشک معاشرہ کیلئے ایک اور اصول بیان فرماتے ہیں کہ کسی کے عیب کی جستجو نہ کرو، یعنی لوگوں کی پوشیدہ باتوں کے معلوم کرنے کی فکر میں نہ رہو حدیث پاک دل کو اس گھٹیا اور پست کام سے پاک رکھنے کی خاطر کیسی کس اس رجحان سے روکتی ہے،

کیونکہ اسلام تو مکارم اخلاق ابھارتا اور اس کا شوق دلاتا ہے نہ کہ پست خصائل وعادات پر، زید بن وہب سے مروی ہے ابن مسعودؓ تشریف لائے ان کو بتایا گیا کہ یہ فلاں ہے اس کی داڑھی سے شراب ٹپک رہی ہے، حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے جواب میں فرمایا، ہمیں دوسروں کی عیب جوئی سے منع کیا گیا ہے ہاں اگر کوئی چیز کھل کر سامنے آجائے گی تو اس پر مؤاخذہ کریں گے۔

حضرت مجاہد دوسروں کی عیب جوئی کے بارے میں وضاحت فرماتے ہیں کہ جو بات کھل کر سامنے آجائے اس پر مؤاخذہ کرو اور جس پر اللہ تعالیٰ نے پردہ ڈال رکھا ہے اس کی فکر میں نہ لگو اس کو چھوڑ دو۔

حدیث شریف نے اسلامی معاشرے کے لئے عملی تطبیق وتنفیذ پیش کی، صرف دل کی صفائی اور ضمیر کی تربیت پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ وہ لوگوں کی عزت وحرمت حقوق و آزادی کے لئے ایک حفاظتی جالی اور کٹہرے کا کام دے رہی ہے۔

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ "دام نہ بڑھاؤ" خرید وفروخت کے اندر "نجش" کے لفظ کی تشریح علماء نے یہ کی ہے کہ سودے کا دام ایسا شخص بڑھاتا جائے جس کو خریدنا نہ ہو بلکہ دام بڑھا کر بیچنے والے کو نفع پہنچانا مقصود ہو، قیمت زیادہ کر کے خریدنے والے کو نقصان پہنچانا چاہتا ہو، اس کے بعد پھر باہم حسد سے ممانعت فرمائی گئی ہے۔ حسد ایسی چیز ہے جو انسان کے مزاج وطبیعت میں داخل ہے، حسد یہ ہے کہ انسان اپنے ہم جنسوں میں سے کسی کو اپنے سے بڑھا ہوا دیکھے تو اس کو پسند نہ کرے، حسد کی مختلف صورتیں ہوتی ہیں، ایک شکل تو یہ ہوتی ہے کہ حسد کرنے والا اس کوشش میں لگ جائے کہ محسود یعنی جس کو نعمت وفضیلت حاصل ہے اس سے یہ نعمت چھن جائے، اور کوئی ایسا ہوتا ہے جو اس نعمت کو محسود سے چھین کر اپنے قبضہ میں کرنا چاہتا ہے اور بعض حاسد یہ چاہتے ہیں کہ محسود سے یہ نعمت چھن جائے چاہے اس کو ملے یا نہ ملے خواہش یہ ہوتی ہے کہ محسود محروم ہو جائے۔

یہ تمام صورتیں اخوت اسلامی سے میل نہیں کھاتی ہیں، لہذا دل کا اس سے پاک کرنا اسلامی معاشرہ کے ہر فرد کی تربیت کرنا، جماعت کا ان بیماریوں سے پاک صاف رکھنا ضروری ہے جبھی صحیح اسلامی معاشرہ وجود میں آسکتا ہے۔

(باقی صـ۱۵ پر)

تیسری قسم ان مسلمانوں کی ہے جو نسلی طور پر مسلمان ہیں مگر غیر مسلم اکثریت کے ساتھ رہنے اور تعلیم سے بے بہرہ ہونے کے سبب اسلام سے بہت دور ہیں۔

اسلامی مراکز و مدارس سے ان کا کوئی تعلق ہے نہ کوئی ان کی دست گیری کرنے والا ہے ان پر غیر مسلم اکثریت کے رسوم و رواج اور بہت سے عقائد تک کی چھاپ ہے، اتنے کہ ان میں عام ہیں کلمۂ اسلام سے بھی وہ واقف نہیں۔

مسلمانوں کی اس قسم میں دعوت کا کام کرنے کی سب سے مؤثر و مفید شکل یہ ہے کہ وہاں مکاتب کھولے جائیں۔ ان کو اسلام کی موٹی موٹی باتیں بتائی جائیں۔ اور کثرت سے تبلیغی جماعتوں کی آمد و رفت ہو تاکہ ان کی دینی حس بیدار ہو دین سیکھنے اور اپنی نئی نسل کو دین کا علم سکھانے کا ان میں جذبہ پیدا ہو۔

ہمارا یہ دور مادیت کا دور کہلاتا ہے مادیت کا ایسا دور دورہ ہے کہ ہر کام کرنے والا پہلے اپنے ذاتی منافع کا جائزہ لیتا ہے پھر اس بنیاد پر کام شروع کرتا ہے اسلام کے اخلاص و جانفشانیوں، ایثار و قربانیوں کا پہلو اس کی نظروں سے اوجھل ہوتا ہے جس کی وجہ سے بہت کچھ کرنے کے بعد بھی کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

اس میں شک نہیں کہ اس گئے گذرے دور میں بھی کچھ ایسے افراد اور خدا کے مخلص بندے موجود ہیں جو بلا خوف لومۃ لائم دعوت کے کام میں لگے ہوئے ہیں مگر ان کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر ہے اس لئے کوئی خاطر خواہ نتیجہ سامنے نہیں آتا۔

یہ بات قابل شکر ہے کہ ساری خرابیاں اور بگاڑ کے باوجود دنیا کے مختلف ملکوں میں خصوصاً نوجوانوں میں اسلامی بیداری کی ایک لہر پائی جاتی ہے۔ لیکن اس لہر کو صالح غذا کی ضرورت ہے اور یہ صالح غذا اسی وقت میسر آسکے گی جب دعوت کے ان تینوں محاذوں پر کام کیا جائے جن کا اوپر ذکر ہوا اللہ تعالیٰ ہی اپنے فضل خاص سے کام کرنے والوں کو نیک توفیق سے نوازے اور ان کی کوششوں کو بار آور کرے۔ آمین۔

فسانہ عفلق کا

الاستاذ محمد غزالی

ترجمہ: محمد وصاف عالم ندوی

جب میری نظر سے سابق صدر اسرائیل جولڈا مائیر کی بیٹی کے ساتھ میشل عفلق کی شادی کا فسانہ گذرا تو پچھلی ساری خفیہ سازشیں اور قومیت عربیہ کے فروغ کی تمام تر کاوشیں آئینہ بن کر سامنے آگئیں۔ یہ محض کسی یہودیت کی پرستار اور نصرانیت کے وفادار کا ملن نہیں بلکہ شعائر اسلام کو پامال کرنے اور دین اسلام کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنے کی خاطر صہیونیت اور صلیبی قوت کے مابین ایک طاقتور گٹھ جوڑ ہے۔

میں ایک زمانہ سے عفلق کے عربی النسل ہونے کے سلسلہ میں مذبذب تھا لیکن ایک طویل زمانہ کی جستجو کے بعد یہ حقیقت واشگاف ہو گئی کہ اس کا باپ ایک یونانی النسل یہودی خاندان سے تھا اور نجاری کا پیشہ اختیار کر رکھا تھا لیکن پھر کافی غور و خوض کے بعد اپنے قبول نصرانیت کا اعلان کر دیا جس کو قبول کرنے کے سلسلہ میں اہل کلیسا بھی متردد تھے لیکن بتقاضائے مصلحت انھوں نے اس کو قبول کرلیا اس کے بعد ہی اس نے شام کی طرف ہجرت کی جہاں کے باشندوں کو پوری طرح باور کرانے کی کوشش کی کہ وہ ایک اصیل عیسائی نژاد خاندان سے تعلق رکھتا ہے لیکن سابق صدر اسرائیل جولڈا مائیر اس حقیقت سے اچھی طرح آگاہ تھیں اس لئے اس نے عفلق کے ساتھ اپنی بیٹی کی نسبت طے کر دی اور اس نے میشل عفلق کے فلسفہ جدید کی ترویج میں اپنی ذات کو گم کر دیا یہ فلسفہ جدید وہی قومیت عربیہ ہے جس کے بارے میں ایک عرب شاعر نے کہا ہے ؎

لا تسئل عن ملتی او مذھبی   انا البعثی، اشتراکی عربی

اسلامی عقائد و حقائق سے عاری، دہریت و اشتراکیت کے علمبردار تحریک قومیت عربیہ کے بانی و ترجمان عفلق کی بیوی کو اپنی منزل معلوم تھی اور اس کے شوہر اور اس مذہب کے پیرو کاروں سے بھی یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہ تھی۔ قدیم اسفار میں اسٹیر نامی ایک عورت کا تذکرہ کیا گیا ہے جو بابل عہد حکومت میں ابھر کر سامنے آئی اور اپنے حسن و جمال سے تیر و سناں کا کام لے کر اپنی مظلوم قوم کو دشمنوں کے چنگل سے نجات دلا دی اس نے سب سے پہلے بادشاہ وقت سے دوستانہ و عاشقانہ مراسم پیدا کئے جو اس کو دیکھتے ہی فریفتہ ہو گیا تھا جب اس کی زلف گرہ گیر کا اسیر ہو گیا اور اسٹیر کو اپنے محبوب کی محبت و وفاداری پر کلی اعتماد ہو گیا تو پہلا کام اس نے یہ کیا کہ اس کو یہود دشمن وزیر کے خلاف ورغلایا اور اس کے قتل پر بادشاہ کو آمادہ کر لیا اور بادشاہ نے بڑی نیاز مندی کے ساتھ یہ کار خیر انجام دے دیا پھر اس کے قیدیوں کو آزاد کر دیا اور جن لوگوں نے ان کی ایذا رسانی میں بڑی سرگرمی دکھائی تھی انھیں نذر زنداں کر دیا۔

اس طرح قوم و ملک کی وفادار اسٹیر نے ہولناک نامساعد حالات کا مقابلہ کر کے زمانہ کا رخ موڑ کر اسرائیلی تاریخ کو ترقی کی شاہراہ پر ڈال دیا آپ اگر غور کریں تو معلوم ہوگا عفلق کی بیوی نے درحقیقت اسی اسٹیر نامی عورت کا پارٹ ادا کیا ہے جس کی ماں اسرائیلی حکومت کے اساسی ارکان میں شامل تھی۔ لہٰذا عفلق کی بیوی نے سوچا کہ وہ عفلق کی آڑ لے کر اسرائیل کی تعمیر و ترقی میں اہم رول ادا کر سکتی ہے کیونکہ عفلق کا پورے عالم عربی میں کنٹرول ہے اور اپنے باطل عقیدہ کی ترویج پر پوری طرح قادر ہے اور جس عقیدہ سے متعدد مسلم حکومتیں بھی مانوس ہو چکی ہیں عربوں کو زیر کرنے اور ان کی حکومتوں کے چراغ گل کر دینے اور ان کی بنیادوں کو اکھاڑ پھینکنے کے سلسلہ میں اسرائیل جو کچھ بھی چاہتا ہے وہ صرف اسی سے پورا ہو سکتا ہے کہ قومیت عربیہ اور دین اسلام کے مربوط رشتہ کو کاٹ دیا جائے اور قومیت عربیہ کو ایک قومی دھانچے کی حیثیت دے دی جائے۔ یہ ایک سادہ سی بات ہے کہ عرب جب اپنی گردن سے دین اسلام کی طلائی زنجیر اتار پھینکیں گے تو یقیناً وہ دنیا کے باطل نظریات کے طوق و سلاسل سے اپنی گردن کو بوجھل کرنے پر مجبور ہوں گے اور انھیں ہر ہر معرکہ میں شکست فاش کا سامنا اور میدان زندگی میں ذلت و خواری کا منہ دیکھنا پڑے گا

(باقی ص ۱۳ پر)

عیسائی راہباؤں کا قبولِ اسلام

آج کل نیروبی میں "فاطمہ غلام" نامی عورت کا چرچا عام ہے جسے نصرانی مبلغین کی جماعت نے مسلمان عورتوں کو عیسائی بنانے کیلئے متعین کیا اور اسے نیروبی میں عیسائی ماؤں کی انجمن کی نائب صدر بنا دیا اور اسے "دار الحنان" نامی مسیحی تبلیغی ادارہ کی منتظم مقرر کر دیا۔

فاطمہ نے اسلام اور اسلامی اصولوں کی تشریح شروع کر دی اور انسانی حقوق خاص طور پر حقوق نسواں کے بارے میں اسلامی نکتہ کو سمجھانا شروع کر دیا اور اسی دوران عربی زبان اور دین اسلام کی تعلیم بھی شروع کر دی اور وہاں پر نماز کیلئے جگہ مقرر کر دی اور اپنے ادارہ میں فاطمہ نے بعض عیسائی راہبہ عورتوں کو اس قدر مطمئن کیا کہ وہ مسلمان ہو گئیں ان کے علاوہ بھی اور بہت سی عورتوں نے اسلام قبول کر لیا۔

فاطمہ کے اس رویہ پر دوسری راہبہ عورتوں نے اعتراض کیا اور انھوں نے نصرانی تبلیغی اداروں سے شکایت کی جس کی بنا پر مذکورہ ادارہ کی امداد بند کر دی گئی تاکہ وہ اپنا کام جاری نہ رکھ سکے۔ جس کی وجہ سے بہت سی عورتوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ فاطمہ کی اپیل پر بعض مسلمانوں نے ادارہ کی امداد کی۔ لیکن وہ تبلیغ اور اسلامی تعلیم جاری رکھنے لئے ناکافی تھی لہٰذا فاطمہ نے امداد کے لئے نیروبی میں سعودی سفارت خانے سے رجوع کیا۔ جس کے نتیجہ میں اس سفارت خانے کی طرف سے فاطمہ کو مالی امداد ملنے لگی تاکہ وہ دوبارہ کام شروع کر سکے تاکہ وافر مقدار میں غذا و رہائشی کمرے اور درسی کتابیں مہیا ہو سکیں اور ایک اجتماع منعقد ہوا جس میں معزز بیگمات نے حصہ لیا۔

سیمینار منعقد ہوئے جن میں غذا کی سپلائی تیاری اور صحیح مصرف کے بارے میں تفصیلات مرتب کی گئیں۔ سعودی سفارت خانے نے اس قسم کی امداد پر اکتفا نہیں کیا بلکہ دینی و درسی تعلیم دینے والے اساتذہ و استانیوں کے وظائف بھی مقرر کئے۔ اس پر کینیا کے ایک مسلم قائد نے مسکراتے ہوئے کہا انھوں نے اسے عیسائی بنانے کی کوشش کی لیکن اس نے بہت سی عورتوں کو مطمئن کر کے مسلمان بنا لیا۔

(بشکریہ ماہنامہ الفاروق، کراچی)

علم اسلام سے اور جہالت جاہلیت سے جڑی ہے

اسلام کی بقا کا دار و مدار اس پر ہے کہ بچوں کو گھر والوں کو ضروری دینی معلومات حاصل ہوں

حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی

حضرت مولانا ابو الحسن علی ندوی مئی کے وسط میں بمبئی تشریف لے گئے تھے اسی وقت یہ بات متعین ہو گئی تھی کہ آپ کی واپسی براہ اندور اور بھوپال ہوگی کیونکہ آپ نے مولانا معین اللہ صاحب ندوی نائب ناظم ندوۃ العلماء اور مدرسۃ الفلاح اندور کے سرپرست اور مولانا لقمان خان ندوی مہتمم دار العلوم تاج المساجد کی دعوت کو قبول کر لیا تھا لہٰذا حضرت مولانا ابو الحسن علی ندوی یکم جون کو اندور پہونچے آپ کے ہمراہ خود داعی مولانا معین اللہ صاحب ندوی الحاج عبد الکریم پاریکھ صاحب اور قاری قاسم بھوپالی تھے۔ مولانا کی آمد کی مناسبت سے بمبئی سے مولوی عبد اللہ علاء الدین ندوی اور مولوی محمد ندوی نیز بھوپال سے مولانا لقمان خان ندوی ازہری اور ڈاکٹر محمد حسین ندوی بھی تشریف لائے تھے حضرت مولانا کا قیام اندور میں چار دن رہا، اس میں جلسہ عام اور شام کی مجلسوں کے علاوہ متعدد مخصوص مجلسیں بھی ہوئیں اور لوگ حضرت مولانا کے کلمات حکمت اور پند و نصائح سے مستفید ہوئے، ان ہی مجلسوں میں حضرت مولانا کی قیام گاہ پر ندوی فضلاء کی ایک مخصوص نشست تھی جس میں مولانا نے زور دیا کہ علم و عمل کے لئے ضروری ہے کہ دعوت و تبلیغ کے کام کو اپنایا جائے اور اپنے مرکز سے رابطہ رکھا جائے، وہی فوج کامیاب و کامران ہوتی ہے جو اپنے مرکز سے جڑی رہتی ہے، شام کی مجلسوں میں وعظ و نصیحت کے علاوہ اصلاح معاشرہ کے امور غالب رہتے تھے اسی مناسبت سے رسالہ "الاصلاح" اور اس سے متعلق دیگر چیزیں حاضرین کے سامنے پیش کی گئیں، یکم جون کی شام کو مدرسۃ الفلاح کے سبزہ زار پر جلسہ عام منعقد ہوا سب سے پہلے مدرسۃ الفلاح کی جانب سے طلبہ عزیز نے نظمیں اور تقریریں کیں پھر مولانا عبد الکریم پاریکھ صاحب نے اصلاح معاشرہ کے موضوع پر تقریر کی اور شادی بیاہ کی شاہ خرچیوں کو معاشرہ کا ناسور بتایا اور کہا کہ یہ چیزیں ہماری اختیاری زندگی میں داخل ہیں اس لئے ان میں ہم کو اصلاح کرنا چاہئے، سب سے آخر میں حضرت مولانا ابو الحسن علی ندوی کی تقریر ہوئی جو ہدیۂ ناظرین ہے۔

—— محمود الازھار ندوی

حضرات! پڑھے لکھے لوگوں نے دو لفظ سنے ہوں گے ایک اسلام اور دوسرے جاہلیت، یہ قرآنی اصطلاحات ہیں اور کثرت سے یہ الفاظ استعمال ہوتے ہیں، لیکن جاہلیت کا لفظ جب بولا جاتا ہے تو ذہن عہد رسالت کے قبل کے زمانہ کی طرف منتقل ہوتا ہے، رسالت سے قبل ساری دنیا میں جہالت پھیلی ہوئی تھی لوگ خدا کو بھول گئے تھے اور زندگی کے مقصد کو بالکل فراموش کر چکے تھے اور انسانیت کے منصب اور خدا سے جو تعلق ہونا چاہئے تھا اس کو بھول گئے تھے عام طور سے لوگ اس کو ایک تاریکی عہد سمجھتے ہیں اور اسلام کے پہلے کے زمانہ کو عہد جاہلیت کہتے ہیں اس کے بعد کا دور اسلامی کہلاتا ہے۔

اسلام کے معنی اپنے کو اللہ کے حوالے کر دینا ہے اپنی تمام چیزوں، اپنی خواہشات، اپنے ماضی اپنے فوائد اپنے اغراض، اور اپنے ان مقدسات سے جو اس کے دل و دماغ پر حاوی ہیں ان کے قابو سے نکل جانا، اور ان سے دست کش ہو جانا ہے جسے انگریزی میں SURRENDER کرنا کہتے ہیں، اللہ و رسول کے احکام پر چلنا یعنی خدا چاہی زندگی گذارنا اسلام ہے اور جاہلیت کے معنی ہیں من مانی زندگی گذارنا جو دل میں آئے وہ کرنا، جیسا ہو رہا ہے ویسا کرنا، جو لوگ چاہتے ہیں اس کے مطابق کرنا، جس میں آدمی فائدہ دیکھے وہ کرنا، جس میں شہرت ملے، عزت ملے، نام و نمود ملے وہ کرنا، جو جی میں آئے وہ کرنا، جس میں مزہ آئے اور جس میں فائدہ معلوم ہو جس میں چرچا ہو تذکرہ ہو، لوگ تعریفیں کریں جس میں لذت ملے اور عزت ملے وہ کرنا لیکن جاہلیت کے متعلق آپ کے ذہن میں ایک بات یاد رہنا چاہئے کہ جاہلیت جہالت کے لفظ سے ہے، اور جہالت جاہلیت پیدا کر دیتی ہے، اسلام قبول کرنے کے بعد، مسلمان گھرانے میں پیدا ہونے کے بعد، اپنے کو مسلمان کہلانے کے بعد اگر آدمی نے دین کی ضروری اور بنیادی معلومات حاصل نہیں کیں، قرآن مجید کا مطالعہ نہیں کیا، ترجمہ کے ذریعہ، عالموں کے ذریعہ، واعظوں کے ذریعہ، مبلغین کے ذریعہ، دینی کتابوں کے ذریعہ، اس کو اللہ و رسول کا منشا نہیں معلوم ہوا اور اس نے اس کی کچھ پرواہ نہیں کی تو وہ جاہلیت پھر آجائے گی، یعنی وہ جاہلیت جو گذر گئی، اس کے متعلق ہرگز نہ سمجھنا چاہئے کہ وہ واپس نہیں آسکتی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بار بار فرمایا "أجاهلية بعد الإسلام" کیا اسلام کے بعد جاہلیت چاہتے ہو؟ اور ایک صحابی جن سے ایسی ہی غلطی ہو گئی تھی، ان کے متعلق آپ نے فرمایا، "إنك امرؤ فيك جاهلية" (تم ایسے آدمی ہو جس کے اندر جاہلیت کی بو باقی ہے)، تو معلوم ہوا کہ جاہلیت کوئی گذرا ہوا زمانہ نہیں ہے جو گذرے ہوئے وقت کی طرح واپس نہ آسکتی ہو، بلکہ جاہلیت ایک طرز زندگی کا نام ہے اور اس طرز زندگی کو بنیادی طور سے جو چیز جاہلیت بناتی ہے وہ جہالت ہے، تو اسلام کا جہالت کے ساتھ کوئی جوڑ نہیں ہے، اسلام کے لئے ضروری ہے کہ بنیادی معلومات حاصل ہوں، اور آدمی کو معلوم ہو کہ کیا چیز اللہ تعالیٰ کو پسند ہے کیا چیز اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے کیا چیز اللہ و رسول کے منشا کے مطابق ہے کیا چیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پسندیدہ ہے۔ کیا چیز مسلمان، ایمان، اور عقیدہ کے مطابق ہے اور کیا چیز مطابق نہیں ہے۔ تو اس کا علم حاصل کرنا اپنے لئے بھی اپنے بچوں کے لئے بھی آئندہ نسلوں کے لئے بھی اور اس کا انتظام کرنا ضروری ہے۔ اگر ہمیں قرآن مجید کی زبان سمجھنے اور اللہ تعالیٰ کے کلام کا ذوق ہو اور اللہ تعالیٰ کے کلام کی سطح اور شان سے واقف ہوں اور یہ معلوم ہو کہ اس کلام کا ایک ایک لفظ کتنی گہرائی رکھتا ہے، اور کتنی بلندی رکھتا ہے، اور اس کی کتنی اہمیت اور قدر و قیمت ہے، تو ہم کانپ جائیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "إنما يخشى الله من عباده العلماء" "انما" کلمہ حصر ہے یعنی اس کے سوا کچھ نہیں، اللہ سے وہی ڈرتے ہیں، اللہ سے وہی ڈر سکتے ہیں وہی ڈریں گے جو علم رکھنے والے ہیں۔ اردو زبان میں علماء سے مولوی صاحبان مدارس کے فضلاء۔ اللہ تعالیٰ ان کی تعداد میں اضافہ کرے، اور ان کے علم سے فائدہ پہونچائے۔ مراد لئے جاتے ہیں، لیکن کلام الٰہی اور کلام نبوت میں ان کا علم محدود نہیں ہے، "العلماء" جب کہیں گے تو ہمارے سامنے بڑے بڑے علماء آئیں گے حکیم الاسلام حضرت تھانوی کا نام آئے گا، حضرت مدنی کا نام آئے گا، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کا نام آئے گا مولانا سید سلیمان ندوی کا نام آئے گا۔ "العلماء" کے معنی ہیں۔ جاننے والے کے جب اللہ نے یہ فرمایا کہ اللہ سے علماء ڈریں گے اللہ سے وہی ڈرسکتے ہیں جو علم رکھتے ہیں تو معلوم ہوا کہ یہ دین جو ہم کو اسلام کے نام سے ملا ہے یہ علم سے جڑا ہوا ہے اس کا علم کے ساتھ ایسا رشتہ ہے جو ٹوٹ نہیں سکتا، علم اسلام کا ایک ضروری اور بنیادی عنصر ہے، اس میں صحیح عقائد کا علم ہو جائے فرائض کا علم ہو جائے اللہ تعالیٰ کی ضروری تعلیمات کا علم ہو جائے، اللہ تعالیٰ کے منشا و فرمان کا علم ہو جائے، کیا چیزیں ہم پر فرض اور واجب ہیں، کیا اسلام ہے اور کیا کفر ہے، اس کا فرق معلوم ہو جائے، اور کیا توحید ہے اور کیا شرک ہے کفر اور ایمان کا فرق معلوم ہو، توحید اور شرک کا فرق معلوم ہو، بدعت و سنت کا فرق معلوم ہو، طاعت اور معصیت کا فرق معلوم ہو، حرام و حلال کا فرق معلوم ہو، جائز و ناجائز کا فرق معلوم ہو، اللہ تعالیٰ کی مرضیات اور نامرضیات کا فرق معلوم ہو جائے۔

وہ علم جو اسلام کیلئے ضروری ہے وہ مواعظ کے ذریعہ، صحبت کے ذریعہ، تبلیغی جماعت میں شامل ہو کر یا کوئی اور ایسا ماحول، اور صحبت اختیار کر کے، ضروری علم حاصل کرے، علم کے وسائل بہت ہیں اور الحمد للہ آسان ہو گئے ہیں اور مدرسوں کی وجہ سے اور بھی سہولتیں پیدا ہو گئی ہیں کتابوں کی کثرت ہے مدارس کا فیض عام ہے یہ مدارس

کوئی معمولی چیز نہیں ہے اللہ تعالیٰ ان کو قائم رکھے، ان کی وجہ سے ہندوستان کی ملت اسلامیہ اپنی خصوصیات کی وجہ سے باقی ہے آزادی سے قبل کا زمانہ مجھے یاد ہے جب انگریزوں کا اقتدار شباب پر تھا اس وقت خلیفہ شجاع الدین نے ایک رسالہ میں مضمون لکھا کہ اب ان مدارس کی کیا ضرورت ہے اب زمانہ بدل گیا ہے ان مدرسوں کو اسکولوں میں تبدیل کر دینا چاہئے اور وہاں انگریزی زبان پڑھائی جائے، اور سائنس کی تعلیم دی جائے جیسا کہ آج کل بعض لوگ مطالبہ کرتے ہیں، علامہ اقبال نے کیمبرج اور جرمنی سے قانون، اقتصاد اور فلسفہ میں ڈاکٹریٹ کیا تھا، انھوں نے اس کا جواب دیا کہ خدا کے لئے تم یہ نہ کہو اگر دینی مدارس نہ رہے تو ہندوستان اسپین بن جائے گا اسپین میں کیسے کیسے ولی اللہ مدفون ہیں، شیخ اکبر محی الدین ابن عربی وہاں مدفون ہیں۔ فقہ مالکی میں ایک اصولی مسئلہ ہے کہ ان کے یہاں اہل مدینہ کا عمل حجت ہے، اس میں کسی سے پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے ویسے ہی ایک زمانہ میں یہ مسئلہ بن گیا تھا کہ عمل قرطبہ حجت ہے، وہاں علماء کے فیض اور عربی علوم کے اثر سے اور محققین کے پیدا ہونے سے اور گھر گھر عالموں کے ہونے کی وجہ سے ان کی زندگی اسلام کے ڈھانچہ میں ڈھل گئی تھی کہ اتنا کہہ دینا کافی تھا کہ قرطبہ میں ایسا ہوتا تھا جس ملک کا ایسا حال ہو وہاں کا عمل حجت ہو اور پوری شمالی افریقہ کی پٹی جو لیبیا اور سوڈان سے شروع ہوتی ہے اور مراقش تک جاتی ہے اور پھر اسپین تک جاتی تھی یہ سارے علاقے سو فی صد مالکی ہیں ایسا کوئی ملک نہیں جو سو فیصد حنفی ہو، وہ ملک مسلمانوں سے خالی ہو جائے۔

علم ہمارے لیے اس لیے ضروری ہے کہ ہمارا اسلام کے ساتھ وابستہ رہنا اور اسلام پر پورے طور پر چلنا اس کے بغیر ممکن نہیں بلکہ ناممکن ہو سکتا ہے اور کم سے کم (ہمارا ہندوستان) جیسا ملک ہے جس کے چاروں طرف جہالت کی جو فضا ہے اور جو کفر و شرک اور دوسرے مذاہب میتھالوجی (دیومالائی) جو پھیلی ہوئی ہے اور اب آج کل ریڈیو، ٹی وی، کے ذریعہ، پریس کے ذریعہ اور تاریخ کے ذریعہ ہر طرح سے وہ چیزیں پھیلائی جا رہی ہیں، جو کبھی ہندوستان میں تھیں وہ بھی سامنے لائی جا رہی ہیں اس صورت میں دین کی تعلیم کی سخت ضرورت ہے گویا اس وقت اسلام کے باقی رہنے کا دار و مدار اس پر ہے کہ آپ کے گھر والوں کو آپ کے بچوں کو ضروری دینی معلومات حاصل ہوں، اس کا انتظام ہونا چاہئے بار بار کہا اور لکھا ہے کہ بچوں کی صحت، اور بچوں کے کپڑے بنوانے، بچوں کے دوا علاج کرنے بچوں کو بیماریوں سے تحفظ فراہم کرنے سے کہیں زیادہ ضرورت ہے کہ ان کو اللہ و رسول سے واقف کرائیں اور ان کو کفر و ایمان کا فرق بتائیں، انھیں شرک و توحید کا فرق بتائیں، اور شرک و بت پرستی کا فرق بتائیں، ہماری ماؤں اور بہنوں پر فرض ہے گھر کے لوگوں پر فرض ہے کہ ان کے دل میں ان سے گھن پیدا کریں (ایسی گھن جو گندگی (پاخانہ، پیشاب سے ہوتی ہے)۔

جب تک ہماری نئی نسل کے دل میں بت پرستی چاہے وہ کسی قسم کی بت پرستی ہو اس کائنات میں کسی کو متصرف ماننے، کسی کو کارساز ماننے کار فرما ماننے اور اپنی قسمت کا بنانے والا اور بگاڑنے والا جاننے، اس سے جب تک گھن نہ آئے جیسے پاخانہ اور پیشاب اور گندی چیزوں سے ہوتا ہے اس وقت تک اس کے ایمان کا اطمینان نہیں ہے کہ وہ اپنے ایمان پر قائم رہے گا۔

کفر اور شرک سے مسلمانوں کو ایسی نفرت ہونی چاہئے جیسے آگ میں ڈالے جانے سے نفرت ہو کفر اور شرک کی تمام شکلوں سے جب تک اس کے دل میں نفرت نہ ہو، اور ہندوستان میں جو دیو مالائی چیزیں ہیں اور بت پرستی کی جو چیزیں ہیں اور یہاں کے دیوتاؤں کے بارے میں جو خیالات ہیں اس سے نہ صرف بچا رہے، یہ ایک بڑی نعمت ہے، بلکہ اس سے نفرت ہو، اور اس کے نام سے اس کا ذائقہ خراب ہو جائے، اور اس کے دل و دماغ اور احساسات پر ایسا اثر پڑے جیسے کوئی گندی چیز کھائی ہے۔

بچوں کو دینی تعلیم دینا اور ایسی دینی تعلیم کا انتظام کرنا جس سے اس کو دین کا ضروری علم حاصل ہو جائے، بلکہ کفر اور شرک سے ایک قسم کی نفرت، وحشت نہ پیدا ہو اس وقت تک اطمینان نہیں کہ وہ کفر و شرک کا کوئی کام نہ کر گذرے، مائیں ایسے قصے سنائیں جس سے کفر اور شرک کا فرق معلوم ہو، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ سنائیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام آذر کے گھر میں پیدا ہوئے جہاں صرف حکومت بت پرستوں کی نہیں تھی بلکہ ان کا معاشی بھی اس سے وابستہ تھا یعنی اعتقادی اور اقتصادی دونوں طور سے بت سازی ان کے گھر میں تھی، لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو داعی کبیر بنایا تھا بلکہ موحد امت کا بانی بنایا تھا" اللہ تعالیٰ نے اپنے حکم سے کفر اور شرک کے فرق کو "یا نار کونی برداً و سلاماً" (اے آگ تو ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جا) سے عیاں کر دیا ایسے قصوں سے ایسے واقعات سے بچوں میں، گھروں میں اور ماحول میں کفر و شرک کا امتیاز پیدا ہوگا اور اسلام کا صحیح علم حاصل کرنے کی رغبت پیدا ہوگی اسی لئے علم کو اسلام کے ساتھ مربوط رکھا گیا ہے تاکہ مسلمان اسلامی تعلیمات کے ساتھ مسلمان رہے ایمان و عقیدہ کے ساتھ مسلمان رہے۔

شاہی سکہ

حضرت شاہ صاحبؒ (شاہ عبدالعزیز صاحب) کے زمانہ میں مختلف نوع کے فتنے سر اٹھائے ہوئے تھے، جس میں کا ایک فتنہ مصنوعی صوفیوں کا غلبہ تھا، ایک شخص نسیم خاں نامی تھا جو وہاں کا سجادہ نشیں ہو گیا تھا اسکی طرف لوگوں کی کافی رجوعات تھی، اس نے ایک مرتبہ دلی کا سفر کیا اور حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں پہونچا، چونکہ رجوعات کی وجہ سے نسیم خاں کا دماغ آسمان پر پہونچ چکا تھا اسلئے اس نے شاہ صاحب کی کوئی تعظیم و تکریم نہیں کی بلکہ آزادانہ آپ کے پاس گیا اور اپنے محاورہ کے مطابق سلام کیا اور کہا کہ شاہ صاحب شریعت کی قید میں کب تک رہو گے نکلو اس قید سے، اور چھوڑو اس شریعت کو، شاہ صاحب نے نہایت اخلاق سے فرمایا، آئیے شاہ صاحب تشریف لائیے اور اپنے پاس بٹھلا لیا، اور بہت دیر تک اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے رہے اس کے بعد باتوں ہی بات میں شاہ صاحب نے فرمایا کہ میاں صاحب آپ نے قرآن بھی پڑھا ہے، اس نے کہا ہاں، اس کے بعد پوچھا کہ کچھ فارسی پڑھی ہے؟ اس نے کہا جی ہاں، پھر پوچھا کہ کچھ عربی بھی پڑھی ہے اس نے کہا جی ہاں میر قطبی تک پڑھی ہے، اس کے بعد پوچھا کہ کچھ گھوڑے کی سواری بھی سیکھی ہے، اس نے کہا جی ہاں، پھر پوچھا کہ فنون سپہ گری بھی سیکھے ہیں اس نے کہا جی ہاں، پھکیتی بکیتی اور تیر اندازی وغیرہ سب سیکھے ہیں، پھر پوچھا کہ آپ پہلے کیا کام کرتے تھے، اس نے کہا کہ فوج میں رسالدار تھا پھر پوچھا کہ قرآن کتنے زمانہ میں پڑھا اور فارسی کتنے زمانہ میں، اور عربی کتنے زمانہ میں، اور فنون سپہ گری کتنے عرصے میں سیکھے اور ملازمت کتنے زمانہ کی، اس نے تمام باتوں کا بھی جواب دیا، پھر پوچھا کہ اس سلسلہ میں کب سے داخل ہوئے، اس نے اس کا بھی جواب دیا، جب شاہ صاحبؒ نے ان تمام باتوں کا اقرار لے لیا تو للکار کر فرمایا کہ فقیر سنبھل کر بیٹھ اور سن، تو نو مہینہ ماں کی پیٹ میں رہا اور اس سے باختیار خود نہ نکل سکا، اور اتنے دنوں تو ماں کی پستانوں کی قید میں رہا، اور اس سے نہ نکل سکا اور اتنے دنوں تک تو انگلی پکڑنے کی قید میں رہا اور اتنے دنوں تک مونڈھوں کی قید میں رہا، اور اتنے دن تو قرآن کی قید میں رہا، استاد نے تھپڑ بھی لگائے ہوں گے، قمچیاں بھی لگائی ہوں گی مگر تو اس قید سے نہ نکل سکا، اور اتنے دن تو فارسی کی قید میں رہا، اور اتنے دن تو عربی کی قید میں رہا، اور اتنے دن تو کشتی کی قید میں رہا، اور اتنے دن پھکیتی کی قید میں رہا، اتنے دن بکیتی کی قید میں رہا، اتنے دن سواری کی قید میں رہا، اتنے دن تو تیر اندازی کی قید میں رہا، اتنے دن تو انگریزوں کی قید میں رہا، اور اب چار ابرو کی صفائی کی قید میں ہے پھر تو اپنے آپ کو آزاد کیسے کہہ سکتا ہے، الحاصل اس عالم میں کوئی ایسا نہیں جو کسی نہ کسی قید میں نہ ہو اور ہم شریعت کی قید میں ہیں مگر یاد رہے کہ تمہاری قید مچی چاندی ہے تم اسکی قیمت مانگو گے تو اسکو تپا دیا جائے گا اور بغیر تپائے کوئی نہ لے گا اور ہماری قید پر سکۂ شاہی لگا ہوا ہے، جہاں چاہیں گے بھنا لیں گے۔ وہ فقیر نہایت شرمندہ ہوا اور اٹھ کر چلا گیا۔

عالم اسلام کی آزادی اور یورپ کا مجرمانہ کردار

مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی صدر شعبہ عربی ادب ندوۃ العلماء لکھنؤ

ترجمہ : حبیب الرحمٰن

عالم اسلام آج بالواسطہ یا بلا واسطہ سیاسی، اقتصادی اور مذہبی میدانوں میں انھیں ظلم و تعدی کا شکار ہو رہا ہے جن کا شکار وہ ماضی قریب کے اس دور میں ہوا تھا جب کہ برطانوی، فرانسیسی اور روسی سامراج عالم اسلام کے مختلف حصوں پر قابض تھا اور یہ تینوں سامراجی حکومتیں اسلامی دنیا کی معاشی طاقت اور اقتصادی وسائل سے ناجائز فائدہ اٹھاتیں اور ساتھ ہی ساتھ ان علاقوں کی مسلم آبادی کے ذہنوں کو اپنے افکار و خیالات اور مخصوص تصور زندگی سے مسموم کر رہی تھیں اور ان سامراجی حکومتوں کے افکار و خیالات لادینیت اور مسیحیت کا معجون مرکب تھے، حیرت و تعجب کی بات یہ ہے کہ یہ حکومتیں یوروپی قوموں کے لئے جس وقت اقتصادی، سیاسی اور اجتماعی طور پر آزادانہ زندگی گذارنے کے سارے اسباب فراہم کر رہی تھیں ٹھیک انہی دنوں اپنے مقبوضہ ممالک کے مسلمانوں کے لئے ایسا طریقۂ زندگی پیش کرتی تھیں جو انھیں کشاں کشاں دینی انحراف اور بے دینی و الحاد کی طرف لے جاتا تھا" اس کا مشاہدہ اس وقت کیا جا سکتا ہے، جب آپ تعلیمی اور فکری اداروں اور مغرب کی سرپرستی میں چلنے والے کالجوں اور یونیورسٹیوں کا جائزہ لیں اور مغربی ایجنسیوں کے قائم کردہ شفاخانوں اور امدادی تنظیموں میں روزمرہ کے واقعات کا آپ مطالعہ کریں آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ یہ تمام ادارے اور تنظیمیں محض مسلمانوں کے ذہنوں کو مسموم کرنے کا ذریعہ اور وسیلہ رہی ہیں۔ یہ وہ دور تھا جب امریکہ کی پوزیشن اتنی مضبوط نہیں تھی کہ وہ براہ راست دوسرے ممالک پر قبضہ کرنے کی کوشش کرتا، البتہ وہ انھیں سامراجی قوتوں کا حلیف اور ان سے اتحاد کا رشتہ رکھتا تھا۔

پھر خدا کو منظور ہوا کہ وہ دور آیا کہ ان مسلم علاقوں پر سے سامراجی حکومتوں کا زور کم ہوا لیکن اسی دوران امریکہ نے طاقت کے میدانوں میں زبردست ترقی حاصل کی دوسری طرف روس بھی طاقت ور مرکز رہا پھر بالآخر روس کا شیرازہ بکھر گیا اور ان علاقوں سے بھی اس کی سامراجیت جاتی رہی جو اس کے قبضہ میں تھے لیکن مسلمان اکثریت میں تھے، اس طرح امریکہ ہی بلاشرکت غیرے دنیا کی سب سے بڑی اقتصادی اور جنگی طاقت بن گیا۔ اس کو ان میدانوں میں اتنی قوت حاصل ہو چکی ہے کہ وہ دنیا کی کسی بھی حکومت کو اپنی مرضی اور مفادات کے پیش نظر جھکا اور دبا سکتا ہے۔ اس کے اثر سے یہ بھی ہوا کہ یورپ کی وہ حکومتیں جو اس کی حلیف ہیں وہ بھی اپنے ارادے اور عزائم کو مشرقی اسلامی ملکوں پر تھوپنے کی کوششیں کرتی رہتی ہیں اور انھوں نے انھیں اپنے دباؤ اور اقتصادی و سیاسی تصرفات کا میدان بنا رکھا ہے۔ جہاں تک ان علاقوں کے غیر مسلم باشندوں کا تعلق ہے تو ان کو صرف سیاسی اور اقتصادی میدانوں میں ہی دباؤ کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے لیکن مسلمانوں کو تو اقتصادی و سیاسی دباؤ کے ساتھ ثقافتی و تہذیبی دینی و فکری اعتبار سے بھی دباؤ کا سامنا ہے جیسے ہی کوئی دینی سرگرمی شروع ہوتی ہے یا دین پر عمل یا اس کی حفاظت کا مسئلہ آتا ہے مغربی ذرائع ابلاغ حرکت میں آجاتے ہیں اور یورپ و امریکا کے اقتصادی اور سیاسی دباؤ کے وسائل و ذرائع بھی سرگرم عمل ہو جاتے ہیں تاکہ مسلمانوں کی اس سرگرمی کو کچل سکیں اور مذہبی و دینی آزادی کا گلا گھونٹ دیں حالانکہ یہی وہ مغربی قومیں ہیں جو مسلمانوں کیلئے بھی آزادی اور خود مختاری کا حق تسلیم کرتے نہیں تھکتی ہیں اور یہ بھی دعویٰ کرتی ہیں کہ مسلمانوں کو بھی جمہوری آزادی کا پورا حق حاصل ہے یعنی وہ اپنی مصلحتوں کو سامنے رکھ کر جیسا دستور زندگی چاہیں وضع کر سکتے ہیں اور اس پر عمل کر سکتے ہیں، یورپ یقیناً اس بات کا حق تسلیم کرتا ہے لیکن اس کا یہ تسلیم کرنا محض کاغذی اور زبانی ہے لہٰذا جب عملاً نفاذ کی نوبت آتی ہے تو رکاوٹیں پیدا کی جاتی ہیں مشرق قریب، بعید، وسطی اور مغربی ایشیا کے ملکوں خصوصاً جنوبی ایشیا میں آپ کو یہ حقیقت روز روشن کی طرح نظر آئے گی کہ دنیا کی طاقتور حکومتیں جن میں امریکہ پیش پیش ہے دوسری چھوٹی حکومتوں اور خصوصاً مسلم حکومتوں کو اپنے زیر اثر رکھنے کا کوئی موقع ضائع ہونے نہیں دیتیں۔

یہ مغربی استعماری حکومتیں تمام مشرقی حکومتوں پر غاصبانہ قبضہ کے دور میں سیاسی ظلم کرنے، آزادی کا گلا گھونٹنے، حقوق کی پامالی اور مصائب و مسائل کے پیدا کرنے کا قابل نفرت کارنامہ انجام دے چکی ہیں۔ عالم اسلام میں اسرائیلی حکومت کو قائم کرکے برطانیہ نے عالم اسلام کے قلب میں چھرا گھونپ دیا ہے۔ آج امریکہ اس کی پشت پناہی کر رہا ہے اور اس کی تقویت و توسیع کی کوشش میں لگا ہوا ہے اور اسے اس کی بالکل پرواہ نہیں ہے کہ یہ عمل اس علاقے کے باشندوں کے لئے سیاسی و اقتصادی محرومی کا کتنا بڑا سبب بن رہا ہے اور اب اس کی یہ کوشش بھی جاری ہے کہ پڑوسی حکومتیں اسے باضابطہ ایک قانونی حیثیت دے کر اسے قبول کر لیں، ذات پات اور بھید بھاؤ کے مسائل بھی انھیں کے پیدا کردہ ہیں۔ اس موقع سے آپ ان ملکوں کا ایک سرسری جائزہ لے لیجئے، جن پر کبھی برطانیہ و فرانس حکومت کر رہے تھے اور اب امریکا اپنا اثر بڑھانا چاہ رہا ہے، دوسری طرف جدید نسل کے ذہنوں میں دینی و اخلاقی انتشار پیدا کرنے کا کارنامہ بھی شمار کر لیجئے اور یہی حکومتیں ایسے اداروں کی سرپرستی کرتی ہیں۔ جو فکر و ادب کی راہ سے مسلمانوں کے قدیم ورثہ اور عقائد میں تشکیک پیدا کر رہے ہیں۔

پوری امت مسلمہ دو طبقوں میں تقسیم ہو چکی ہے ایک طبقہ کسی حد تک سیاسی طور پر غالب ہے تو دوسرا بالکل ہی مغلوب، جس کے پاس نہ ذرائع ابلاغ ہیں اور نہ ہی کوئی دوسری طاقت، صورت حال کا اطمینان بخش پہلو یہ ہے کہ پوری امت اسلامیہ اسلام کو ہی چاہتی ہے لیکن مغربی فکر کے پروردہ، اور مغربی سیاست کے فریب خوردہ قائدین اس کی سربلندی قائم ہونے میں رکاوٹ بن رہے ہیں۔

اسی درمیان خلیج کا واقعہ پیش آیا جس میں مسلمانوں کی ہی تباہی ہوئی اور مغربی طاقتوں نے خوب استحصال کیا اور اسی کے نتیجہ میں امریکا نے ایسے عالمی نظام کا اعلان کیا جس میں اس کی چودھراہٹ بلاشرکت غیرے حاصل رہے اور اس کی حلیف مغربی حکومتیں اس کی مصلحت کے مطابق اس کے پیچھے پیچھے رہیں جہاں تک کمزور حکومتوں کا تعلق ہے تو ان کا مقام دست نگر اور محتاجوں کے صف سے آگے نہ ہو، امریکا اس نظام کے اندر من مانی کرنے اور دنیا کی تمام قوموں کی قسمت کا فیصلہ اپنے ہاتھ میں لے کر جس طرح چاہے اپنے ارادے اور عزائم کو ان پر تھوپے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ امریکا ان کمزور قوموں کے ساتھ شہ زوری اور بے جا مغرورانہ سلوک کر رہا ہے اور ہر اس قوم کے ساتھ ظلم پر کمر بستہ ہے جو اس کے ساتھ مصالحت نہ کر رہی ہو اور سیاسی و اقتصادی میدانوں میں اس کی مصلحتوں کی خاطر اس کا ساتھ نہیں دے پا رہی ہیں۔ افغانستان میں مجاہدین کے ساتھ، مسئلہ فلسطین کے حامیوں کے ساتھ اس کا رویہ آپ دیکھ سکتے ہیں اسی طرح روس کے ان مسلم علاقوں کے ساتھ بھی اس کا کیا رویہ ہے جو ابھی ابھی روسی سامراج کے چنگل سے آزاد ہوئے ہیں۔ امریکا اسے کب برداشت کرے گا کہ یہ قومیں اس کے سیاسی نقطۂ نظر کی مخالفت کریں اور خالص اسلامی رنگ میں رنگ جائیں کوئی بھی مسلم قوم جب کبھی ایسی بیداری کا اظہار کرتی ہے جس کا تعلق سیاسی زندگی سے ہو امریکا اسے بیزاری کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور اس کے ساتھ دوسری یورپی حکومتیں بھی شریک ہو جاتی ہیں اور ان حکومتوں کے قائدین امریکی مصلحتوں کے دباؤ میں اس بیداری کے خلاف زمین و آسمان سر پر اٹھا لیتے ہیں اور اس طرز عمل کو رجعت پسندی اور پسماندگی شمار کرکے

(باقی صفحہ پر)

عباسی خلیفہ ابوجعفر منصور کے عدالتی تحقیق کی ایک مثال

پروفیسر محمد اجتباء ندوی — صدر شعبہ عربی وفارسی الٰہ آباد یونیورسٹی

بنوعباس کے خلیفہ دوم ابوجعفر منصور کا دور حکومت ہے، دارالحکومت بغداد کی تعمیر ہو چکی ہے اور دارالخلافہ منتقل ہو چکا ہے۔ ابوجعفر منصور اپنی حکمت ودانائی اور طرز حکمرانی میں شہرت ومقبولیت حاصل کر چکا ہے، اس کی رعایا پروری اور عدل وانصاف سے بھی لوگوں کو ایک گونہ اطمینان ہو گیا ہے، اور ملک میں استقرار و امن بحال ہو چکا ہے، عوام کے مختلف مسائل کے حل اور فیصلہ کے لیے قاضی اور جج مقرر ہیں لیکن اہم اور پیچیدہ مسائل کیلئے ابوجعفر منصور کی عدالتی نشست ہوتی رہتی ہے۔ بغداد کے ایک مشہور بڑے اور سربرآوردہ وصالح تاجر تمیم بن قیس ایک ایسے حادثہ سے دوچار ہوئے کہ انھیں غور کرنا پڑا کہ وہ عام عدالت کا دروازہ کھٹکھٹائیں یا امیر المومنین ابوجعفر منصور سے اپنا قصہ بیان کریں یا پھر خاموش ہو جائیں، لیکن انھیں اپنے خسارہ کا دکھ تھا اور اس سے بڑا دکھ یہ تھا کہ وہ خسارہ خود ان کے اپنے گھر میں پیش آیا ہے جس کے لئے نہ ان کے پاس گواہ اور نہ ثبوت، آیا وہ چوری ہے یا خیانت؟! تمیم قاضی شہر کے پاس اس لئے نہیں جا سکتا ہے کہ وہ اپنا مقدمہ ثابت نہیں کر سکتا ہے اور دوسری شکل میں مقدمہ ہار جانے کا اندیشہ ہے لیکن اتنے بڑے حادثہ پر اس کا خاموش رہنا عقل ودانائی اور مصلحت کے خلاف ہے چنانچہ انھوں نے امیر المومنین سے اپنا ایک نجی معاملہ پیش کرنے کی اجازت طلب کی، تمیم نے امیر المومنین کو ان الفاظ میں کہانی سنائی:

"امیر المومنین! میں نے ابھی ان گرمیوں میں ایک تجارتی قافلہ کے ہمراہ ہندوستان کا سفر کیا اور اپنا سامان فروخت کر کے ہندوستانیوں سے جواہرات، ریشمی کپڑے اور عطر وگلاب خرید لائے اور بخیریت وطن واپس آیا، بغداد کے تاجروں نے بہت اچھے داموں سے میرا لایا ہوا سامان خرید لیا اور مجھے بڑا نفع ہوا اور خاصی دولت ملی میں نے وہ سب اپنی بیوی کے پاس رکھا دیا پھر کچھ دنوں کے بعد ایک ضرورت سے مانگا تو اس نے کہا کہ وہ تو سب چوری ہو گیا لیکن مجھے اس کی بات کا یقین نہیں ہوا کیونکہ گھر میں چوری کی کوئی واردات نہیں ہوئی اور نہ نقب لگائی گئی، مجھے اس کے علاوہ کسی پر کوئی شک وشبہ نہیں ہے لیکن میرے پاس بیوی کے خلاف الزام لگانے کے لئے نہ کوئی گواہی ہے اور نہ ثبوت، مگر مجھے اس دولت کے ضائع ہو جانے کا بے حد غم ہے، میں نے سوچا کہ امیر المومنین کے انصاف ودانشمندی کا سہارا لوں"۔

ابوجعفر منصور نے تمیم بن قیس سے حسب ذیل سوالات کئے:

تم نے اس عورت سے کب شادی کی؟

تمیم نے کہا صرف ایک سال قبل۔

منصور: وہ کنواری تھی یا شادی شدہ؟

تمیم: اس کے نہ مجھ سے کوئی بچہ ہے اور نہ میرے علاوہ کسی سے۔

منصور: تمہیں اس کی وفاداری اور پاکبازی پر یقین ہے؟

تمیم: میں اس کی پاکبازی اور اخلاص پر شبہ نہیں کر سکتا۔

ابوجعفر منصور نے تمیم کو دیکھا اور مسکرایا، اس نے بلگاریا میں بنے ہوئے گلاب کے عطر کی ایک شیشی منگائی اور تمیم کو دی کہ یہ خوشبو گھر لے جاؤ انشاء اللہ تمہارا غم دور ہو جائے گا، تمیم نے شکریہ ادا کیا اور امیر المومنین کو سلام کر کے گھر روانہ ہو گئے، تمیم کے جانے کے بعد ابوجعفر منصور نے خفیہ پولیس کے کمانڈر کو بلایا اور اس سے کہا کہ اپنے ماتحتوں میں سے چار قابل اعتماد اور امانت دار آدمیوں کا انتخاب کرو اور خیال رہے کہ انھیں خوشبوؤں کے پہچاننے اور فرق کرنے کا خاص ملکہ حاصل ہو، چار پولیس افسر امیر المومنین کی خدمت میں حاضر ہوئے اور وہی عطر انھیں لگایا گیا پھر حکم دیا گیا کہ ان میں کا ایک ایک آدمی شہر کے دروازوں پر کھڑا ہو جائے اور آنے جانے والوں کا خیال رکھے اگر یہی خوشبو کسی کے کپڑوں اور جسم میں محسوس ہو تو فوراً اسے امیر المومنین کی خدمت میں حاضر کریں، ادھر تمیم معمول کے مطابق گھر واپس ہوا، بیوی کو احساس نہ ہونے دیا کہ اس نے اپنے مال کے بارے میں کوئی کارروائی کی اور نہ کوئی تذکرہ کیا، بلکہ اسے عطر کی وہ شیشی پیش کرتے ہوئے کہا کہ یہ بڑا قیمتی اور نادر عطر ہے بڑی رقم دے کر صرف تمہارے لئے خریدا ہے۔ بیوی نے عطر سونگھا تو محسوس کیا کہ واقعی وہ بڑی اعلیٰ قسم کا عطر ہے اور بے حد خوش ہوئی، اس نے تھوڑا سا عطر ایک چھوٹی شیشی میں رکھا اور اپنے محبوب خلیل بن فرات کو بطور تحفہ بھیجا، خلیل بن فرات ایک بدکردار نوجوان تھا اور جھوٹے عشق اور ظاہری محبت کا حوالہ دے کر عورتوں کو بے وقوف بناتا تھا، اس سلسلہ میں اپنی مہارت کی بنا پر حکومت کی گرفت اور لوگوں کے شبہ سے بچا ہوا تھا، لیکن اس عطر نے اس کا راز فاش کر دیا اور جونہی اس نے وہ عطر لگایا اور اپنے شکار کی تلاش میں ایک دروازہ سے نکل رہا تھا کہ پولیس افسر نے خوشبو محسوس کر کے گرفتار کر لیا اور امیر المومنین ابوجعفر منصور کی خدمت میں حاضر کیا، امیر المومنین نے اس خوشبو کے بارے میں دریافت کیا تو وہ گھبرا گیا اور سر جھکا کر پریشانی کے عالم میں جواب دیا کہ ایک نامعلوم شخص نے امیر المومنین کی مسجد میں نماز کے بعد یہ عطر لگایا تھا۔ امیر المومنین نے اسے سچ بولنے کیلئے کہا مگر وہ اپنی بات پر مصر رہا تو پولیس کے سربراہ کو حکم دیا کہ اسے ہزار کوڑے لگائے جائیں تاکہ یہ سچ بولے اور اس سے ایک ہزار دینار تاوان کے طور پر طلب کیا جائے، خلیل بن فرات شروع میں تو انکار کرتا رہا اور اپنی غربت کا واویلا مچاتا رہا لیکن آخر میں اعتراف کر لیا اور گھر جانے کی اجازت طلب کی تاکہ مال لے آئے، وہ مال وہی تھا جو تمیم نے اپنی بیوی کو رکھنے کے لئے دیا تھا اور بیوی نے اپنے اس حیلہ گر عاشق کو تحفہ پیش کر دیا تھا امیر المومنین ابوجعفر منصور نے تمیم بن قیس کو بلا کر ان کے مال ومتاع کی نشانی معلوم کی جب انھوں نے صحیح طور پر بتا دیا تو ان کے سپرد کر دیا، اس کے بعد ابوجعفر منصور نے دریافت کیا کہ تم اس کے بعد اپنی بیوی کے بارے میں کیا فیصلہ کرتے ہو، تمیم نے کہا کہ امیر المومنین میں آپ کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے اس بے وفا اور خائن عورت کو طلاق دی، امیر المومنین نے خلیل بن فرات کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا اور اس کے بعد دارالحکومت سے جلاوطن کر دیا، تمیم جب گھر پہونچے تو دیکھا کہ امیر المومنین کی پولیس پہونچ چکی ہے جس نے بیوی کو طلاق کی اطلاع دے دی ہے اور گھر سے روانگی کا حکم بھی سنا دیا ہے، تمیم بن قیس کو بڑا اطمینان ہوا اور امیر المومنین کی ذہانت، فراست، حکمت عملی اور حق وانصاف کا شکریہ ادا کیا، تمیم بن قیس نے ایک نیک اور صالح خاتون سے شادی کر کے از سر نو اپنی زندگی شروع کی، اللہ تعالیٰ نے ان کی تجارت کو خوب فروغ بخشا، اور انھوں نے بڑی فراخ دلی کے ساتھ فلاح وبہبود اور غریبوں ومسکینوں کی حاجت پوری کرنے کیلئے اپنی دولت صرف کی۔

بقیہ: مجھے اسلام پر فخر ہے

سرمایہ کا بہت زیادہ احسان مند ہے۔

مجھے ان لوگوں کی نادانی پر ہنسی آتی ہے جو میرے قبول اسلام پر رجعت پسندی کا الزام دیتے ہیں۔ کیونکہ انھیں سبب اور نتیجہ میں خلط مبحث ہو جاتا ہے۔ کیا آج مسلمانوں کے خارجی اسباب کی بنا پر کمزوری کے نتیجہ میں اسلام کی مذمت درست ہے؟ اگر معیار یہی ہے تو دور جدید کے عمدہ آرٹ قبح وخرابی کا مرکز قرار پائیں گے کیونکہ بہت سے موجودہ آرٹسٹ بے حیا اور عریاں تصویروں سے بچتے نہیں ہیں اور عہد وسطیٰ میں مسیحیوں کے ہاتھوں انجام پائے جانے والے ہولناک حادثات نیز اسپانیا کے محکمہ تفتیش کے ذریعہ پیش آنے والی مصیبتوں کی وجہ سے مسیحیت ایک وحشی اور خون کا پیاسا مذہب شمار کیا جائے گا۔

میں نے بے شمار عرب ممالک کا بھی سفر کیا ہے مسلمان نقراء ومساکین اور کمزوروں کے ساتھ حسن سلوک اور بہتر معاملہ کرتے ہیں اس لئے مجھے بالجزم کہنے کا حق ہے کہ مسلمان دنیا کی تمام قوموں میں سخاوت خودداری اور غرباء پروری میں سب سے فائق اور برتر ملت ہیں جس کا مقابلہ روئے زمین کی کوئی دوسری ملت نہیں کر سکتی

نکسن کی تازہ تصنیف کے

چند اوراق

ترجمہ جعفر مسعود حسنی ندوی

مصر سے شائع ہونے والے رسالہ "المصور" کے ۱۷ر اپریل کے شمارے کے اداریہ میں سابق امریکی صدر رچرڈ نکسن کی تازہ تصنیف "سنہرا موقع" پر مصر کے ممتاز صحافی اور صاحب قلم مکرم محمد احمد نے تبصرہ کیا ہے، اس تبصرہ کے مطالعہ کے دوران مجھے جن کیفیات سے گذرنا پڑا اور جن احساسات سے دوچار اور جن جذبات سے نبرد آزما ہونا پڑا ان کا بیان کرنا ممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے، ایک لاوا تھا جو میرے سینے میں ابل رہا تھا، ایک آگ تھی جو میرے دل میں بھڑک رہی تھی، اور یہ آگ کیوں نہ بھڑکتی، اور دماغ میں یہ ہلچل کیوں نہ مچتی، کون سا ایسا زہر تھا جو اسلام کے خلاف اس کتاب میں اگلا نہ گیا ہو اور کون سا ایسا جرم تھا جس کی سیاہی مسلمانوں کے چہروں پر ملی نہ گئی ہو۔

افتتاحیہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ نکسن نے اسلام کو خونی مذہب قرار دیا ہے۔ کمیونزم کے زوال کے بعد اس کو یورپ کے لئے سب سے بڑا خطرہ بتایا ہے اور اس کے مقابلہ کے لئے ہر ممکن طریقہ خواہ وہ لڑائی کا ہو یا قبضہ کا اختیار کرنے پر زور دیا ہے۔

نکسن کے خیال کے مطابق مسلمان انتہا پسند، جاہل، اور بدتہذیب ہوتا ہے اور تلوار کی دھار پر اپنے مذہب کو پھیلانے کی کوشش کرتا ہے، پٹرول کی دولت پر وہ قابض ہے، اسرائیلی کھلاڑیوں کا وہ قاتل ہے بے قصوروں کو یرغمال بنانا اس کا شیوہ ہے، لبنان میں خون کی ہولی اس نے کھیلی، کویت میں غارت گری ایک مسلمان ہی نے مچائی۔

یہ تھی مسلمانوں کی وہ تصویر جو بقول مکرم محمد احمد سابق امریکی صدر رچرڈ نکسن نے اپنی کتاب میں پیش کی ہے۔ چنانچہ اپنی یہ تصویر دیکھ کر نکسن کے خلاف نفرت وغصہ کے جذبات لئے ہوئے جب میں فاضل تبصرہ نگار کی ہدایت کے مطابق "سنہرا موقع" کی تلاش میں نکلا اور اس کے حصول کے بعد عالم اسلام کے عنوان سے اس کی پانچویں فصل جو بقول فاضل تبصرہ نگار کتاب کی خطرناک ترین فصل ہے بغور مطالعہ کیا تو مجھے حیرت کا ایک شدید جھٹکا لگا، اور کیوں نہ لگتا، کتاب میں مسلمانوں کی جو تصویر پیش کی گئی تھی وہ اس تبصرہ سے بالکل مختلف تھی جس کو پڑھ کر مجھے اپنے اوپر قابو رکھنا مشکل ہو گیا تھا۔ چنانچہ میں نے اسی وقت یہ فیصلہ کیا کہ نکسن کے خیالات کو نکسن ہی کی عبارت کی روشنی میں پیش کیا جائے تاکہ ایک غلط فہمی کا ازالہ ہو سکے، اور مسلمانوں کے سلسلہ میں مغرب کا ایک نیا انداز فکر سامنے آسکے۔

"سنہرا موقع" کی پانچویں فصل میں عالم اسلام کے عنوان سے صدر نکسن لکھتے ہیں!

دو چیزیں دنیا کے تمام مسلمانوں میں مشترک طور پر پائی جاتی ہیں، ایک دین اسلام پر ان کا ایمان، اور اس کی تعلیمات پر ان کا اعتماد وبھروسہ، دوسرے بے اطمینانی۔

اسلام صرف ایک مذہب نہیں بلکہ وہ ایک عظیم تہذیب کی اساس ہے ہم اسلام کو ایک وحدت کی حیثیت سے جانتے ہیں اور یہ وحدت کسی مرکزی جماعت کے نظم وضبط کا نتیجہ نہیں بلکہ یہ ان سیاسی وثقافتی رجحانات کی یکسانیت کا ثمرہ ہے جن کا سرچشمہ اسلامی تہذیب ہے، اور جنھوں نے عالم اسلام کو ایک لڑی میں پرو رکھا ہے، اور یہ رجحانات پورے عالم اسلام میں (ان کے آپسی اختلافات سے صرف نظر کر کے) پائے جاتے ہیں جس طرح مغرب میں ایسی جماعتیں موجود ہیں جو آزاد مارکیٹ کی قائل ہیں، اور بے روزگاروں کی اعانت کرتی ہیں، اور کمیونزم پر ان کا ایمان ویقین ہے۔ اسی طرح عالم اسلام میں بھی ایسی جماعتیں پائی جاتی ہیں جو مختلف سیاسی رجحانات کی حامل ہیں، ان میں بنیاد پرست بھی ہیں، رجعت پسند بھی، اور ترقی پسند بھی، عقیدہ وسیاست کا یہ اتحاد ان جماعتوں کو ایک قوت اور مضبوطی عطا کرتا ہے اور ان کو ایک اکائی کی حیثیت سے سامنے لاتا ہے چنانچہ عالم اسلام کے کسی حصہ میں بھی کوئی واقعہ پیش آتا ہے تو اس کے اثرات بقیہ حصوں میں اسی طرح محسوس کئے جاتے ہیں۔

نکسن لکھتے ہیں:

مجھے عالم اسلام کے ۳۷ ملکوں میں سے ۳۱ ملکوں میں جانے کا موقع ملا ہے میں نے وہاں کے علوم اور قائدین دونوں کو اپنی تاریخ اور اپنے مذہبی اصولوں پر فخر کرتے ہوئے دیکھا ہے، اور ان میں سے اکثر کو کمیونزم کا شدید مخالف پایا ہے اور اسلام نے جس قوت کے ساتھ کمیونزم کا مقابلہ کیا ہے عیسائیت اتنی قوت کے ساتھ کمیونزم کا مقابلہ نہیں کر سکی ہے۔

اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں اپنے نظریہ کی وضاحت کرتے ہوئے نکسن لکھتے ہیں!

بہت کم امریکی ہیں جو عالم اسلام کی حقیقت اور اس کے اصولوں سے واقف ہیں، وہ اگر کچھ جانتے ہیں تو صرف یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے پیروکاروں کی تلواروں نے اسلام کو ایشیا، افریقہ اور یورپ کے دور دراز علاقوں تک پہنچایا ہے، وہ ان علاقوں میں دین کے نام پر ہونے والے جھگڑوں کا تذکرہ تو کرتے ہیں لیکن اس بات کو اپنے ذہن سے نکال دیتے ہیں کہ اسلام دہشت پسندی کا مخالف ہے اور اس نے دہشت پسندی کی کبھی بھی ہمت افزائی نہیں کی ہے۔

نکسن لکھتے ہیں!

قرون وسطیٰ میں جب یورپ جہالت کی ظلمتوں میں بھٹکتا پھر رہا تھا اس وقت اسلامی تہذیب کی چمک دمک نگاہوں کو خیرہ کر رہی تھی، اسلام نے سائنس، طب اور فلسفہ میں جو کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں ان کو فراموش نہیں کیا جا سکتا، ویل ڈیورنٹ نے اپنی مشہور کتاب "ایمان کا عہد" میں لکھا ہے کہ سائنس، فلسفہ، طب، جغرافیہ، اور کیمیا جیسے علوم وفنون میں مسلمانوں نے نہ صرف حصہ لیا بلکہ ان علوم وفنون میں اپنی عظمت وبرتری کا اعتراف بھی لوگوں سے کروا لیا ہے، وہ لکھتا ہے کہ ابن سینا اور رازی طب کے دو بلند ستارے ہیں، البیرونی جغرافیہ کا سب سے بڑا عالم ہے۔ ابن ہیثم بصری علوم کا سب سے بڑا ماہر ہے اور ابن جبیر نے کیمیا میں سب سے زیادہ شہرت کمائی ہے۔ یہ عرب ہی تھے جنھوں نے تعلیم وتربیت کی بنیاد ڈالی اور لوگوں کو جینے کا سلیقہ سکھایا۔ "ڈیورنٹ" کا کہنا ہے کہ ابن جبیر کے پانچ سو سال بعد جب "روجر بیکن" نے اپنے نظریہ کو یورپ کے سامنے پیش کیا تو اس نے صراحت کے ساتھ اس بات کا بھی اعتراف کیا کہ اس کو جو کچھ بھی علم حاصل ہوا ہے وہ سب ان مغربی علماء کا فیض ہے جنھوں نے اسپین میں مسلمانوں کے آگے زانوئے تلمذ طے کیا تھا، اور جب یورپ کے زریں عہد میں علم وفن کے ماہرین پیدا ہوئے تو ان کے علم وفن کا سہرا بھی مسلمان علماء ہی کے سر بندھتا ہے۔

نکسن لکھتے ہیں!

عالم اسلام ایک ایسی تہذیب کا نام ہے جو اپنے تاریخی مقام کے حصول کے لئے کوشاں ہے عالم اسلام نے... سامراجی طاقتوں سے اپنے کو آزاد کرایا، اور اس کے بعد وہ آنکھیں بند کر کے ناوابستگی، عربوں کے اتحاد، اور ردعمل کی سیاست کی راہ پر دوڑ پڑا۔ اور وہ وقت دور نہیں کہ جب عالم اسلام اپنے اور مناسب مقام تک پہنچنے میں کامیاب ہو جائے گا چنانچہ ایسی صورت حال میں امریکہ کو چاہئے کہ وہ تعمیری انداز سے عالم اسلام کی مدد کرتا رہے۔

ہم کو اس بات سے احتراز کرنا چاہئے کہ ہم مسلمان انتہا پسندوں کی سرگرمیوں اور اسلامی عقیدہ کو باہم مربوط سمجھیں، مذہبی انتہا پسند افراد عوام میں مشہور تو ہوتے ہیں لیکن الیکشن کے موقع پر وہ ان کی تائید حاصل کرنے سے محروم رہتے ہیں، وہ یہ تو کر سکتے ہیں کہ مظاہرہ کر کے جلوس نکال کر اور نعرہ بازی کر کے سڑکوں پر ایک جم غفیر اکٹھا کر لیں، لیکن اس پر ان کا بس نہیں چلتا کہ آزادانہ انتخابات میں کامیابی سے ہمکنار کرنے والے ووٹ بھی اپنی جھولی میں ڈال لیں، ہمیں عالم اسلام کے ترقی پسند حلقہ کی تائید کرنا چاہئے، کیونکہ یہ ہمارے اور ان کے دونوں کے مفاد میں ہے، ترقی پسند حلقہ کو اس بات کی ضرورت ہے کہ وہ بنیاد پرستوں کے نظریہ کے متبادل کوئی نظریہ اپنے حمایتیوں کے سامنے پیش کرے صدام حسین سے چھٹکارہ حاصل کرنے کے بعد کویت کے حکمراں طبقہ کا جمہوری اصلاحات قبول کرنے سے انکار کر دینا

ان حکام کی ذہنی پسماندگی کی کھلی مثال ہے جو غیر جمہوری طریقہ پر اقتدار پر قابض نظر آتے ہیں۔

عالم اسلام کو ترقی کی راہ پر لگانے کے لئے سب سے پہلے ہم کو یہ کرنا ہوگا کہ ہم اس کو ایک ایسی اسلامی سیاست سے روشناس کرائیں جو تمام اسلامی ممالک کے لئے قابل قبول ہو لیکن اس کے ساتھ ساتھ ان حدود کو بھی متعین کرنا ضروری ہے جن سے عالم اسلام میں ہمارا وجود برقرار رہے ہم کو ان اسلامی ممالک کے ساتھ بھی ربط رکھنا چاہئے جن میں بنیاد پرست حکومتیں قائم ہیں اور جن کے مصالح اور مفادات ہم سے وابستہ ہیں۔ اور اس علاقہ میں ان کا ایک وزن سمجھا جاتا ہے، اور آج نہیں تو کل ان کے ساتھ ہمارا اتحاد سیاسی واقتصادی معاملات اور اس عام سے متعلق امور میں ان کے ساتھ ہمارا اشتراک اور ان کے اقتصادی پروگراموں کو آگے بڑھانے میں ہماری کوشش ان کو عالم اسلام کے لئے ایک قابل تقلید نمونہ بنا کر پیش کرے گی، اور ترقی کے حصول کی خواہش مند حکومتیں ان کے طریقہ کار کو اپنانے اور ان کے سیاسی واقتصادی نظام کو اختیار کرنے پر مجبور ہوں گی۔

عالم اسلام کے حال اور مستقبل پر تبصرہ کے بعد جس میں کہیں بھی جنگ و جدال انتہا پسندی ودہشت گردی، اور باہمی نزاع وکشمکش کا تذکرہ نہیں ملتا، صدر نکسن نے خلیج کے امن سے متعلق اس حیثیت سے گفتگو کی ہے کہ گویا یہ مسئلہ امریکہ کے لئے بنیادی اہمیت کا حامل ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں!

خلیج کے امن کی کنجی امریکہ اور اعتدال پسند عرب ممالک کے درمیان کئے گئے فوجی معاہدوں کی ڈوری میں بندھی ہوئی ہے، اور عربوں کی ایک بڑی تعداد امریکہ کے زیر اثر فوجی اڈوں کے قیام کو اچھی نظر سے دیکھتی ہے، بلکہ بعض لوگ تو اس پر بھی راضی نظر آتے ہیں کہ مرکزی قیادت کا صدر دفتر خلیج میں ہی منتقل کر دیا جائے، اور اس سلسلہ میں میری رائے یہ ہے کہ اس علاقہ میں امن کے قیام کے لئے امریکہ کی باضابطہ موجودگی غیر ضروری ہے بلکہ ہمیں مصر کو موقع دینا چاہئے کہ وہ سامنے آئے اور خلیج کی فوجی طاقت کو مستحکم کرنے میں بنیادی کردار ادا کرے اور رہا امریکہ تو اس کو غیر سرکاری طور پر ان ممالک سے ربط رکھنا چاہئے اور وقتاً فوقتاً ان سے تبادلہ خیال کرتے رہنا چاہئے تا کہ ضرورت پڑنے پر ان کو جو آسانیاں فراہم کی جا سکتی ہوں کی جا سکیں، اور جنگی ساز وسامان کی منتقلی میں کوئی دشواری پیش نہ آئے، کیونکہ اگر ہم اسلامی ممالک کے ساتھ اس حیثیت سے معاملہ کرتے ہیں کہ وہ ہمارے لئے نو آبادی کا درجہ رکھتے ہیں تو اس سے ہمارے اور ان کے درمیان دوستی کا رشتہ برقرار نہیں رہ پائے گا، اور یہ ایک ایسی غلطی ہوگی جس کی وجہ سے ہم اس پورے علاقہ سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے۔

اس فصل میں جس کو ہمارے دوست مکرم محمد احمد نے خطرناک ترین فصل قرار دیا ہے جب اسرائیل سے متعلق بات نکلی تو اس میں بھی صدر نکسن نے کوئی نئی بات نہیں ذکر کی ہے، بلکہ انھوں نے صرف انھیں باتوں کو دہرایا ہے جو ماضی میں ہر امریکی صدر دہراتا چلا آیا ہے اور مستقبل کا ہر صدر دہراتا رہے گا۔

وہ لکھتے ہیں:

اسرائیل سے ہمارے تعلقات نہایت گہرے ہیں، ہم صرف ایک دوسرے کے دوست نہیں بلکہ ایک دوسرے کا پرتو ہیں، اور ہمارے اور اس کے تعلقات اس سے کہیں زیادہ مستحکم ہیں جتنا کہ سمجھے جاتے ہیں، اور یہ تعلقات صرف مادی فوائد کی بنیاد پر اور اسرائیل کے جائے وقوع کی اہمیت کے پیش نظر قائم نہیں ہیں بلکہ ہمارا اور اسرائیل کا تعلق اخلاقی اور فکری بنیادوں پر ہے، جاسوسی کا مسئلہ ہو یا جنگ کا میدان ان کو ہمارا پورا تعاون حاصل ہے اور عربوں کے ساتھ ہوئی مختلف جنگوں میں اسرائیلی فوجوں نے اپنی جنگی صلاحیت کا بھرپور ثبوت دیا ہے، انھوں نے خلیج کی جنگ میں دخل نہ دے کر اس جنگ میں حصہ لیا، مگر یہ کہ اس جنگ سے یہ بات سامنے آئی کہ اس علاقہ میں اسرائیل کے اثرات محدود ہیں، اسرائیل سے ہمارے تعلقات بہت قدیم ہیں اور ان کی بنیاد اس وقت پڑی تھی جب دنیا پر دوسری عالمی جنگ کے بادل منڈلا رہے تھے، اور کمزور جمہوری حکومتوں کی حمایت و تائید میں اسرائیل کے ساتھ ہمارا ایکٹ ہے، چنانچہ ان سب باتوں کے پیش نظر کوئی بھی امریکی صدر اسرائیل کو تباہ کرنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔

نکسن نے اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں جن خیالات کا اظہار اپنی کتاب میں کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

- اسلام محض ایک مذہب نہیں بلکہ وہ ایک عظیم تمدن ہے۔
- اسلام تشدد کی تعلیم نہیں دیتا جبکہ یورپ وامریکہ کے لوگوں کا خیال ہے۔
- یورپ جب تاریکی میں تھا اس وقت اسلامی تمدن بام عروج پر تھا۔
- اسلام نے جس قوت کے ساتھ کمیونزم کے پھیلاؤ کو روکا ہے عیسائیت نے اس قوت کے ساتھ کمیونزم کا مقابلہ نہیں کیا۔
- یورپ کے مختلف علوم وفنون کے میدانوں میں جو بڑے بڑے علماء اور محققین پیدا ہوئے وہ کسی نہ کسی حیثیت سے اندلس کے اہل علم کے خوشہ چین تھے۔

بقیہ: عالم اسلام کی آزادی

اس کے حامیوں پر بنیاد پرستی کا الزام لگانے لگتے ہیں اسلامی قوتوں کے سلسلے میں مسیحی یورپ کا یہ مخالفانہ تاثر اسی مسیحی تعصب کے احساس کے نتیجے میں پیدا ہوا ہے جو اسلامی اور عیسائی قیادتوں کے درمیان صدیوں تک جاری صلیبی جنگوں سے پیدا ہوا تھا، یہ جنگیں تو آج ختم ہو چکی ہیں لیکن یورپ کے دانشوران اور سیاستدان اس کی پھانس اب تک نکال نہیں سکے۔

اپنے سامراجی دور میں یورپ نے مسلمانوں سے انتقام بھی لیا لیکن اس کی پیاس اب تک نہیں بجھ سکی ہے اور وہ مسلمانوں کے بچے کھچے دینی شعور کو بھی ختم کرنے کے درپے ہے، لیکن اپنے اس ناپاک عزائم وارادے میں ہرگز ہرگز کامیاب نہیں ہو سکے گا۔ اس لئے کہ مشرق کی یہ اسلامی بیداری اس کے اندازہ سے کہیں زیادہ قوی اور اس کے وفادار اس کے تصور سے کہیں زیادہ بڑھ چکے ہیں۔ یہاں تک کہ اگر مسلمانوں کا حکمراں طبقہ بھی اس بیداری کو نظر انداز کرنے کی کوشش کرے گا تو ایک نہ ایک دن انھیں بھی اس کے سامنے جھکنا ہی پڑے گا۔

لہٰذا اب یورپ وامریکہ کے قائدین اور ان کے تمام پیروکاروں کو یہ حقیقت ذہن نشین کر لینی چاہئے۔ وہ اب خواب خرگوش میں نہ رہیں ورنہ انکا بھی انجام روس سے کچھ زیادہ مختلف نہیں ہوگا۔

کچھ دنوں سے اسلامی ذرائع ابلاغ نے ان حقائق پر خاصی توجہ دینا شروع کر دیا ہے اور لوگوں کو دنیا کی روزانہ بدلنے والی حقیقتوں سے بھی روشناس کرنے لگے ہیں۔ اس سلسلے میں مختلف اسلامی اخبار ورسائل میں مضامین بھی آنے لگے ہیں، ان میں ہر دانا وبینا کے لئے نصیحت ہے جو شخص حقیقت سے ہی چشم پوشی کرے گا اس کی مثال محض شتر مرغ سے دی جا سکتی ہے۔ جس کی عادت یہ ہے کہ خطرہ کو محسوس کر کے اپنا سر ریت میں چھپا لیتا ہے اور جب اس کو نظر نہیں آتا تو سمجھتا ہے کہ کچھ ہے ہی نہیں!

ایک نابینا بچہ (ارقم) کی دعا

خلیل پرتابگڈھی

یا الٰہ العالمیں اے خالق کون ومکاں
سنتے ہیں بھرپور ہے ہر طرح تیرا جہاں
فرش کرنے کے لئے نیچے بچھائی ہے زمیں
بے ستوں کے آسماں کا ہے لگایا سائباں
پیڑ پودے، بیل بوٹے غنچہ وگل بے شمار
کہتے ہیں ان سے سجے ہیں کھیت باغ اور گلستاں
دن میں سورج کی چمک شب چاندتاروں کی برات
روشنی پائے زمیں اور رہگذر ہے آسماں
ندیاں سرسبز میداں وسمندر اور پہاڑ
میں نے کانوں سے سنی ہے انکی ساری داستاں
ہوتی ہے کیسی دھنک چلتے ہیں بادل کس طرح
موج دریا وسمندر میں نے دیکھا ہے کہاں
حد تو یہ ہے گفتگو کرتے ہیں جن سے ہر گھڑی
شکل ہے نادیدہ ان کی اور صورت ہے نہاں
ذہن میں میرے تصور ان کا آسکتا نہیں
کر دیا پردہ یہ قائم کیوں ہمارے درمیاں
چشم بینا ہو تو دیکھوں میں تری کاریگری
دل میں حسرت لئے بیٹھا ہوں اپنے بے گماں
رحمت للعالمیں کے صدقہ میں کر دے عطا
ایسی بینائی کہ جس سے دور ہوں تاریکیاں
عاجز وبیکس کی سنتا ہے پتہ ہے یہ مجھے
مجھ سا عاجز کون ہے بیکس ہے مجھ جیسا کہاں
قادر مطلق ہے تو سب کچھ ہے تجھ کو اختیار
فضل ہو تو، ہو نہیں سکتی دعا یہ رائیگاں
شوق سے ارقم بھی دیکھے اس جہاں کی دلکشی
کاش کچھ ہو جائے ایسا ہی کرم اللہ میاں
چلتے چلتے رک گیا ہے یہ قلم کیونکہ خلیل
شاید آنسو بن گئے ہیں آنکھ میں سیل رواں
اس دعا پر کہتا ہوں آمین کہئے آپ بھی
سہل ہے اسکے لئے ہر کار مشکل بے گماں

حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کے چند اہم ملفوظات

قاری عبد السلام صاحب منصوری

(۱) آپ کو خط لکھا گیا کہ حضرت کامیابی نظر نہیں آتی، حضرت نے جواب میں لکھا "کامیابی تو موت کے بعد نظر آئے گی۔

فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ۔

جس کو آگ سے بچا کر جنت میں داخل کر دیا گیا وہ کامیاب ہو گیا۔

اور دنیا میں اشخاص کی کامیابی یہ ہے کہ وہ اپنا کام کئے جائیں یہاں تک کہ مقصد پر اپنے آپ کو قربان کر دیں۔ جب انھوں نے اپنے آپ کو مقصد پر قربان کر دیا تو اپنے سفر میں وہ منزل مقصود تک پہونچ گئے اور کامیاب ہو گئے اب یہ سوال باقی نہیں رہتا کہ مقصود حاصل ہوا یا نہیں اس سفر میں نہ تھکنا اور آخر تک چلتے رہنا ہی سب سے بڑا مقصود ہے اس لئے جس مسافر نے اس مقصود کو پا لیا اس نے اپنا کام پورا کر دیا یہاں راہ اور منزل دو نہیں ہیں ایک ہی ہیں ؎

رہرواں را خستگی راہ نیست
عشق ہم راہ ست وہم خود منزل ست

(۲) ڈاکٹر صاحب مرحوم نے اپنے مقروض ہونے کے سبب اسفار اور اخراجات بند کر کے مطب میں مشغول ہونے کے متعلق مشورہ مانگا حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ نے جواب میں تحریر فرمایا کہ اپنے معمولات میں کوئی فرق نہ آنے دو چاہے وہ اسفار کی لائن کا ہو چاہے اخراجات کی لائن کا اللہ تعالیٰ نے صلوٰۃ الحاجۃ کس لئے عطا کی ہے اس وقت تک صلوٰۃ الحاجۃ پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے مانگتے رہو جب تک آثار قبولیت ظاہر نہ ہو جائیں۔

(۳) فرمایا "مخلصین خدا کے وعدوں پر یقین رکھتے ہوئے اس موعود کے لئے بھی عمل نہیں کرتے اس لئے کہ موعود مقصود نہیں اور جو موعود کو مقصود بنا کر چلتے ہیں وہ موعود میں پھنس جاتے ہیں اور جو لوگ صرف رضائے الٰہی کو مقصود بنا کر چلتے ہیں ان پر جب خدا کے وعدے پورے ہوتے ہیں اور ملک ومال کی نعمتیں ملتی ہیں تو وہ ان کو اپنی ذات پر خرچ کرنے کے بجائے دین کی اشاعت مخلوق خدا پر محض رضائے الٰہی کے لئے خرچ کر دیتے ہیں۔

(۴) فرمایا "دل کو ریا اور نمائش سے خالی اور اخلاص سے پر رکھو۔ نیتوں کا تین بار محاسبہ کرو اول عمل کے شروع میں دوئم عمل کے درمیان میں سوئم عمل کے خاتمہ پر۔

(۵) فرمایا "مسائل میں اختلاف نہ مضر ہے۔ نہ اس کو ختم کرنے کی ضرورت ہے اور نہ ہی اس کو ختم کیا جا سکتا ہے۔ اختلاف رائے ایک فطری اور طبعی امر ہے۔ جس سے نہ کبھی انسانوں کا کوئی گروہ خالی رہا ہے نہ رہ سکتا ہے کسی جماعت میں ہر کام اور ہر بات میں مکمل اتفاق رائے صرف دو صورتوں میں ہو سکتا ہے ایک یہ کہ اس جماعت میں کوئی سوجھ بوجھ والا انسان نہ ہو جو معاملہ پر غور کر کے کوئی رائے قائم کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو اس لئے مشورے میں ایک شخص کوئی بات کہہ دے تو دوسرے سب اس پر اس لیے اتفاق کر سکتے ہیں کہ ان کے پاس کوئی رائے اور بصیرت ہی نہیں اور دوسرے اس صورت میں مکمل اتفاق رائے ہو سکتا ہے کہ لوگ ضمیر فروش اور خائن ہوں کہ ایک بات کو غیر مناسب اور مضر جانتے ہوئے محض دوسروں کی رعایت سے اختلاف رائے کا اظہار نہ کریں اس لئے جہاں عقل بھی ہو اور دیانت بھی یہ ممکن نہیں کہ اختلاف رائے نہ ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ اختلاف رائے عقل ودیانت سے پیدا ہوتا ہے۔ اس لئے یہ اپنی ذات کے اعتبار سے مذموم نہیں، اگر حالات ومعاملات کا صحیح جائزہ لیا جائے تو اختلاف رائے کا ہونا یقینی ہے۔ لیکن اگر اختلاف رائے اپنی حدود کے اندر ہے تو کسی جماعت کے لئے مضر نہیں ہوتا بلکہ بہت سے مفید نتائج پیدا کرتا ہے۔ اسلام میں مشورہ کی تکریم و تاکید فرمانے کا یہی منشا ہے کہ معاملہ کے متعلق مختلف پہلو اور آراء سامنے آجائیں تو فیصلہ بصیرت کے ساتھ کیا جا سکے۔ اگر اختلاف رائے کو مذموم سمجھا جائے تو مشورے کا فائدہ ہی ختم ہو جائے۔

اسلام کی اجتماعی زندگی محض ظاہری رکھ رکھاؤ کا نام نہیں اس میں ایک طرف اپنے عقیدے اور اصول پر مضبوطی سے جمنے کی دعوت ہے تو دوسری طرف اجتماعی فیصلوں کے سامنے سر تسلیم خم کر دینے کی بھی تلقین ہے۔

(۶) فرمایا "ہر شخص کی صلاحیت جدا ہے اب مختلف صلاحیتوں سے نفع اٹھانا سوائے مشورے کے اور کسی دوسری شکل سے ممکن نہیں۔ مشورہ کبر اور تکبر سے بچنے اور بچانے کا بہترین ذریعہ ہے کیونکہ اگر مشورہ نہیں ہوگا تو امر ہوگا، امر اور حکم کبر تک پہونچانے کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ مشورہ سے قوم کو نفاق سے بچایا جا سکتا ہے کیونکہ انسان کا مزاج حکم ماننے کا نہیں ہے چاہے وہ کمزور ہو چاہے طاقت ور اگر وہ حکم مانتا ہے تو کسی خوف یا ڈر کی وجہ اور جو چیز خوش دلی سے نمانی جائے اس سے نفاق پیدا ہوتا ہے اور بغض و حسد پیدا ہوتا ہے۔ مشورے سے طے کئے ہوئے کام پر عمل کا اجر ہر شخص کو ملتا ہے ایک شخص گھر بیٹھا ہوگا اور ایک شخص میدان کارزار میں ہوگا لیکن دونوں اجر وثواب میں برابر کے شریک ہوں گے کیونکہ گھر بیٹھنے والا اپنی خواہش سے گھر نہیں بیٹھا ہوگا بلکہ مشورہ سے گھر بیٹھا ہوگا۔

(۷) فرمایا "قناعت دنیا کی غیر ضروری مشغولی سے بچاتی ہے۔ سادگی اور قناعت کے بغیر دین پر عمل اور دین کی خدمت اور اللہ کے احکامات پر سو فیصد عمل بہت مشکل ہے۔ نیز سادگی اور قناعت سے لازمی طور پر غیرتمندی پیدا ہوتی ہے کیونکہ غیرت کا نقصان صرف احتیاج کی وجہ سے ہوتا ہے اور قانع شخص محتاج نہیں ہوتا۔"

(۸) فرمایا "اللہ کے ہر حکم کو اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر طریقے کو عمل میں لانا آسان ہے۔ صرف کرنا کیا ہے؟ عزم وارادہ اور فیصلہ اور ارادہ وفیصلہ اپنی ذات کو سامنے رکھ کر نہیں بلکہ اللہ کی ذات کو سامنے رکھ کر۔ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ۔

(۹) فرمایا "ہم نے دین اور دنیا کو تقسیم کر رکھا ہے یعنی دین اور کسی چیز کا نام ہے اور دنیا کسی اور چیز کا نام لیکن یہ تقسیم اسلام میں ہے ہی نہیں اسلام میں یا تو ہر عمل دین ہوگا یا ہر عمل دنیا ہوگی۔ دین اس عمل کو کہتے ہیں جو اللہ کے لئے ہو اور اللہ کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق کیا جائے۔ یعنی صحیح نیت اور صحیح نہج کے ساتھ۔

(۱۰) فرمایا "مصلح بننے سے پہلے صالح بننا ضروری ہے اور اپنی اصلاح دوسروں کی اصلاح پر مقدم ہے۔ اپنی اصلاح پر توجہ کم رکھنا مقصد اصلاح ہی کو ضائع کر دینا ہے۔ أَتَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ أَنْفُسَكُمْ۔

(۱۱) سوال کیا کہ بہت سے لوگ دعوت میں لگنے کے بعد بیٹھ جاتے ہیں فرمایا اس کا سبب نیتوں میں تلاش کرنا چاہئے۔ كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ دنیا میں مسلمانوں کے وجود کا مقصد یہ ہے کہ خود ایمان اور ایمانی زندگی کے حامل ہوں اور انسانی دنیا کو اللہ کے نور سے منور کرنے کی جدوجہد کر رہے ہوں جو اپنے مقصد وجود کے لئے دعوت میں چلتا رہے۔ وہ موت تک چلتا رہے گا ورنہ جو اس نیت کے علاوہ اور کسی نیت سے چل رہا ہوگا اس کا آخر تک چلنا قابل تعجب ہے نہ کہ اس کا بیٹھ جانا۔

(۱۲) فرمایا "دعوت میں لگنے والے ہمارے لئے آئیڈیل اور نمونہ نہیں ہیں۔ ہمارے لئے نمونہ صرف جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں۔ اگر افراد سے کام پر کھا جائے گا تو پھر اسلام کو مسلمانوں سے پرکھنا پڑے گا۔

یہ پوچھنے پر کہ بہت سے لوگ جماعتوں میں جاتے ہیں لیکن خالی ہاتھ واپس آتے ہیں۔ فرمایا اس کا سبب فکر وطلب اور نیتوں میں تلاش کرنا چاہئے۔ پھر ایک بزرگ کا واقعہ سنایا کہ ایک اللہ والے ایک بار سخت بیمار ہوئے خادموں نے عرض کیا اگر کوئی شخص آپ کی ملاقات کو نہ آئے تو بہتر ہے۔ تا کہ آپ کے آرام میں کوئی خلل نہ آنے پائے بزرگ نے فرمایا کہ جو بھی ملاقات کو آتا ہے اس کو منع نہ کرو۔ خلق اللہ میں سے جو لوگ بھی برائے ملاقات فقراء آتے ہیں وہ اپنے اخلاص کے مطابق فیض حاصل کرتے ہیں، جو لوگ اخلاص زیادہ لاتے ہیں وہ فیض زیادہ حاصل کرتے ہیں جو لوگ اخلاص

کہلاتے ہیں وہ لوگ فیض کم لے جاتے ہیں اور جو بالکل اخلاص سے خالی ہوتے ہیں وہ فیض سے بھی خالی ہاتھ واپس جاتے ہیں۔

پھر ایک مثال بیان فرمائی کہ جو لوگ بازار جاتے ہیں اپنی استطاعت کے مطابق سامان خریدتے ہیں جس کے پاس رقم زیادہ ہوتی ہے وہ زیادہ اشیاء خریدتا ہے اور جو کم دام رکھتا ہے وہ اشیاء کم خریدتا ہے اور جو بالکل خالی ہاتھ ہوتا ہے وہ چیزوں سے خالی ہاتھ واپس جاتا ہے۔

سوال کیا گیا کہ بہت سے لوگ روحانی بیماریوں کو لے کر جماعتوں میں جاتے ہیں لیکن بیمار ہی واپس آتے ہیں فرمایا ایسا تو جسمانی بیماریوں میں بھی ہوتا ہے کہ لوگ دوا استعمال کرتے کرتے موت کے آغوش میں چلے جاتے ہیں لیکن کوئی اس کو علاج نہ کرنے کے لئے دلیل نہیں بناتا۔ تبدیلی اس وقت محسوس ہوتی ہے جب خوبیاں غالب ہو جائیں تم اس رخ سے غور کرو ایک شخص آج دعوت کی محنت میں لگتا ہے اور اس کے اندر سو عیب ہیں تو اگر اس کو غور سے دیکھو گے تو یہ بات صاف نظر آئے گی کہ روز بروز برائیوں میں کمی آرہی ہوگی۔

اس طرح ایک شخص اپنی ساری کوتاہیوں کو ختم کرنے کی نیت سے چل رہا ہے لیکن اس سے پہلے کہ اس کی ساری کوتاہیاں دور ہوں موت آگئی تو اللہ تعالیٰ اس کو اس کی نیت کے مطابق پاک صاف کرکے اٹھائیں گے جس طرح بنی اسرائیل کے ایک قاتل کا واقعہ احادیث کے ذخیرے میں مذکور ہے۔

یہ پوچھنے پر کہ کسی بھی عمل میں طبیعت نہیں لگتی لیکن خدا کا حکم سمجھ کر کرلیتا ہوں۔ فرمایا حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو ایک مرید نے خط لکھا کہ حضرت اعمال میں طبیعت نہیں لگتی لیکن خدا کا حکم سمجھ کر کرلیتا ہوں۔

حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے جواب میں لکھا کہ یہی عین اخلاص ہے طبیعت نہ چاہتے ہوئے خدا کا حکم سمجھ کر کرنا اسی کا نام اخلاص ہے۔ اگر طبیعت لگتی اور دل چاہتا تب ہم عمل کرتے تب ڈرنے کی بات تھی کہ کہیں ہم طبیعت کی خواہش کی وجہ سے عمل تو نہیں کررہے ہیں۔

(۱۳) فرمایا: صرف نفع مند ہونا کسی چیز کی اچھائی کی دلیل نہیں ہے صرف نفع ہونا ہی اچھے ہونے کی دلیل مانی جائے تو چور کو چوری میں ڈاکو کو ڈاکے میں قاتل کو قتل میں ملاوٹ کرنے والے کو ملاوٹ میں دھوکا دینے والے کو دھوکے میں فائدہ نظر آتا ہے۔ ان سارے عملوں کو صحیح ماننا پڑے گا تو اب یہ دیکھنا چاہئے کہ نفع زیادہ ہے یا نقصان کہیں انفرادی طور سے دیکھا جائے گا کہیں اجتماعی طور سے اور صرف دنیا کے اعتبار سے نہیں بلکہ آخرت کے اعتبار سے بھی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيْهِمَا اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا۔

عقلی دلیل قابل اعتماد نہیں ہوسکتی جب تک نقلی دلیل نہ ہو جو عقل یہ نہیں بتا سکتی کہ جو کھانا میں کھا رہا ہوں اس میرے لئے صحت ہے یا بیماری جس سواری پر سفر کر رہا ہوں یہ منزل تک پہونچائیگی یا راستے میں کسی حادثہ کا شکار ہوجائیگی یا جو اسباب میں نے حفاظت کے لئے بنائے ہیں اس میں میرے لئے زندگی ہے یا موت، جو عقل ایسی موٹی باتوں کو نہ جان سکے تو وہ عقل ہماری رہنمائی کیسے کرسکتی ہے۔ اس لئے ہمارے لئے رہنما تو نقل ہے۔ جو نقل ہوتے ہوتے صحیح طریقے سے ہم تک پہونچی ہے یعنی قرآن و حدیث۔

(۱۴) فرمایا: جتنا ہم کو اعمال کی فکر کرنی چاہئے اتنی ہی بلکہ اس سے زیادہ اس کی بھی کوشش کرنی چاہئے کہ اس کا نفع اور اجر و ثواب باقی رہے ورنہ اگر صرف عمل کی کوشش ہوتی رہی اور اس کے بقا کی کوشش نہ ہوتی رہی تو امت کے محتاجوں میں ہمارا بھی شمار ہوگا کل قیامت میں اہل حقوق آئیں گے اور سارے اعمال کولے جائیں گے اور ہم خالی ہاتھ رہ جائیں گے۔"

(۱۵) فرمایا: اس سوال پر کہ اہل علم کی بھیڑ میں علماء کو کیسے پہچانا جائے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے خود علماء کی پہچان تبلادی ہے "اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا" اللہ سے اس کے بندوں میں وہی ڈرتے ہیں جو علم والے ہیں اور جتنا ہی جس کے اندر خوف و خشیت ہوگا اتنا ہی وہ علم والا ہوگا۔

(۱۶) فرمایا: انفرادی طور سے خدا کی مددوں اور نصرتوں کے واقعات برابر ہوتے رہتے ہیں لیکن اجتماعی طور سے من حیث القوم خدا کی مددیں اور نصرتیں جو نہیں آرہی ہیں اس کا سبب یہ ہے کہ انفرادی طور سے اعمال وجود میں آرہے ہیں انفرادی طور سے اللہ سے تعلق وجود میں آرہا ہے اس لئے انفرادی طور سے خدا کی مددیں آرہی ہیں اور ابھی اجتماعی طور سے من حیث القوم اعمال وجود میں نہیں آرہے ہیں اس لئے ابھی اجتماعی طور سے خدا کی مددیں نہیں آرہی ہیں جب تک قوم کے ایک بڑے طبقے کے اندر تبدیلی نہیں آئے گی اس وقت تک ہم اجتماعی مدد کے مستحق نہ ٹھہریں گے اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتے ہیں: "اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ" اللہ تعالیٰ کی سنت سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی گروہ کے مابقوم (اجتماعی حالت) کا انحصار اس کے ما بانفس (انفرادی حالت) سے ہے، مسلمانوں کو باعزت زندگی ملنا ایک باعزت واقعہ ہے اس کے لئے اللہ کی اجتماعی مدد درکار ہے اور اللہ تبارک و تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ اجتماعی مدد ہمیشہ اجتماعی عمل پر آتی ہے انفرادی عمل پر اجتماعی مدد نہیں آیا کرتی ہے۔"

(۱۷) فرمایا: جب بھی کسی دعوت و تحریک میں نصرتوں کے دروازے کھل جاتے ہیں اور عمومی طور سے رجوع عام ہونے لگتا ہے تو ایک طبقہ اس میں ایسا شامل ہوجاتا ہے جس کے سامنے دنیا اور دنیا کا نفع ہی رہتا ہے اور وہ ہمیشہ خوف کی نفسیات میں مبتلا رہتا ہے کہ کہیں کوئی مجھ سے آگے نہ بڑھ جائے۔

"اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ" دین اور دینی زندگی موروثی نہیں ہوتی تم اللہ والوں کی زندگی کا مطالعہ کرو تو یہ بات معلوم ہوگی کہ اکثریت اللہ کے ان برگزیدہ بندوں کی ہے جن کے سرپرست ولی نہیں تھے ان کے لئے ماحول بھی سازگار نہیں تھا لیکن وہ اللہ والے اپنی طلب اور تڑپ سے ولی کامل بن گئے اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ دین اور دینی زندگی کا دارومدار طلب اور تڑپ پر ہے اور ساتھ ہی ساتھ صحیح طریقے سے محنت پر اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ اور ایک ضابطہ اللہ کا یہ ہے کہ اللہ تبارک تعالیٰ خود منتخب فرمالیتے ہیں لیکن یہ عمومی ضابطہ نہیں ہے۔"

(۱۸) فرمایا: دعوت کی محنت کرنے والوں کو خدا بغیر سبب کے بھی دیں گے جہاں ظاہری شکلیں ناکام ہوجائیں خدا آئے وہاں پالیں گے اور گمان کے پرے سے روزی عطا فرمائیں گے لیکن جو کچھ خدا دیں اس کو ہم خدا ہی کے راستے میں دین کے فروغ کے لئے خرچ کردیں اس کو اپنی فانی دنیا کیلئے نہ استعمال کریں ورنہ وہی مال ہمارے لئے فتنہ بن جائے گا۔"

(۱۹) فرمایا: اہل ایمان اور اہل یقین کو جب ہر طرف مزاحمتیں اور آزمائشیں نظر آتی ہیں تو ان کا اپنے عقیدے پر ایمان اپنے اصول کی صداقت کا یقین اور اس پر قائم رہنے کا جذبہ اور جوش بڑھ جاتا ہے ہر رکاوٹ میں ان کو اپنے عقیدے کی صحت کی دلیل اور ہر آزمائش میں ان کو اپنے مسلک کی صداقت کا تازہ ثبوت نظر آتا ہے اس لئے جب دقتوں اور وقت کی آزمائشوں میں لوگوں کے لئے تذبذب و تردد کا سامان ہوتا ہے اہل یقین کے لئے یقین کی ترقی اور اطمینان کی زیادتی کا سامان ہوتا ہے موجوں کے تھپیڑوں سے وہ سمجھتے ہیں کہ جہاز سمندر میں آچکا ہے اور اپنے سفر پر روانہ ہے۔ گودی میں لگے ہوئے اور خشکی پر کھڑے ہوئے جہاز کیلئے کیسی موج اور کہاں کا تلاطم مزاحمتوں سے وہ سمجھتے ہیں کہ اب ہماری دعوت اور ہمارے عقیدے نے اپنا طبعی سفر شروع کردیا ہے اور جو کچھ پیش آرہا ہے اسی کی قدرتی منزلیں ہیں اور راستے کی مشکلات اہل یقین اور اہل عزم کیلئے تازیانۂ شوق کا کام دیتی ہیں۔

فَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا۔

(۲۰) فرمایا: صبر اور برداشت کی صفت پر اتحاد وجود میں آتا ہے۔ اسلام میں اتحاد بہت زیادہ مطلوب ہے نماز باجماعت کی اہمیت بتلاکر اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا جس گاؤں یا جنگل میں تین آدمی ہوں اور وہاں جماعت کی نماز نہ ہوتی ہو تو ان پر شیطان مسلط ہوجاتا ہے اس لئے جماعت کو ضروری سمجھ، بھیڑیا اکیلی بکری کو کھا جاتا ہے اور آدمی کا بھیڑیا شیطان ہے۔"

(بشکریہ ریاض الجنۃ)

لکھنؤ کے معروف عطریات
شمامۃ العنبر، زعفرانی حنا
مجموعہ وغیرہ

طلب فرمائیں
کارخانہ: محمد سلیمان محمد یوسف
یوسف بلڈنگ ۱۰ ناداں محل روڈ
لکھنؤ

مجھے اسلام پر کتنا فخر ہے

نو مسلم حسین رؤوف (انگلستان)

ترجمہ و تلخیص، محمد مصطفیٰ خاں (علیا ادبی)

کچھ لوگ جب اپنا دین چھوڑ کر دوسرا دین اختیار کرنے کا فیصلہ کرتے ہیں تو ان کے اس فیصلہ میں جذباتی فلسفیانہ یا سماجی اسباب کار فرما ہوتے ہیں۔

میں بھی ایک ایسے عقیدہ کی تلاش میں سرگرداں رہا جو میرے فلسفیانہ ذہن اور سماجی تصورات سے ہم آہنگ ہو، چنانچہ میں نے دنیا کے تمام مروجہ اہم ادیان، ان کے اصول و مبادی اور ان کی مقدس کتابوں کا بغور مطالعہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ سب سے پہلے مسیحیت اور یہودیت کی تعلیمات کا تقابلی مطالعہ شروع کیا۔ کیونکہ میری نشو و نما ایک یہودی کیتھولک مخلوط خاندان میں ہوئی تھی۔ نوجوانی اور تعلیمی زندگی کلیسا کی تعلیمات اور اس کے رسم و رواج کے بیچ گزری تھی۔ دوران مطالعہ طرح طرح کے اشکالات پیدا ہوتے رہے۔ انجیل کے بے شمار دعوؤں اور نظریات سے مطمئن نہ ہوسکا عقیدۂ تناسخ، الٰہ اور غفران کہاں میری عقل و فہم قبول نہ کرسکی میں نے اس کے مفہوم کو یہودی مذہب میں کتب انجیل کے برخلاف زیادہ باعظمت پایا۔

میں نے یہودی تعلیمات کا مطالعہ کیا لیکن اس کے بہت سے نظریات کو چھوڑ بھی دیا کیونکہ انسان اگر یہودی مذہب کے تمام اصولوں اور تعلیمات کا پابند بن جائے تو اس کے پاس زندگی کے معاملات اور اس کے مطالبات پر توجہ کے لئے وقت نہیں بچے گا اور عقل لامحدود شعائر و مراسم میں پھنس کر رہ جائے گی۔ مزید برآں یہ کہ یہودی مذہب ایک اقلیت کا مذہب تصور کیا جاتا ہے جسے وہ اپنے اندر ہی محدود ہونے کا دعویٰ رکھتی ہے، چنانچہ اس دین کے متبعین اور دوسری جماعتوں میں ایک عظیم بُعد پایا جاتا ہے۔

میں انگلستان کے کلیسا میں عبادت کے لئے برابر حاضر ہوتا، اور یہودی عبادت گاہوں میں بھی برابر جاتا رہا۔ لیکن اس کے باوجود کسی مذہب سے بھی متعلق نہ ہوا کیوں کہ کیتھولک مذہب میں ہم نے انتہائی غیر معقول اور اندھی تقلید نیز مذہبی رہنماؤں کی طاقت کے سامنے خود سپردگی محسوس کی۔ جب کہ ان میں ایسی روحانی و اخلاقی بیماریاں موجود تھیں جو ان اخلاق و صفات سے کوئی مناسبت نہیں رکھتیں جو پوپ اور اس کے حواریوں کے خود ساختہ خدائی مقام تقاضہ ہیں۔

چنانچہ میں نے ہندو فلسفہ خصوصاً اپنشد اور ویدوں کی بعد والی تعلیمات پر مشتمل کتابوں کی طرف توجہ مرکوز کی۔ اس دوسرے مرحلہ میں بھی اس فلسفہ کے بے شمار افکار و نظریات کا مطالعہ کیا، کتنوں کا احترام کیا اور کتنوں کو ٹھکرا دیا۔ چنانچہ اس مذہب کے بہت سے سماجی امور سے متعلق نظریات کو میں کلیۃً مسترد کردیا۔ اسی طرح طبقۂ برہمن کے امتیازی حقوق اور اچھوتوں اور شودروں سے ان کے تنفر و بے تعلقی کو میں تسلیم نہ کرسکا جس کی بنیاد پر ذلت و پستی اچھوتوں کا مقدر تسلیم کی جاتی ہے اور ان کے لئے بہتر زندگی کی امید اسی پر منحصر سمجھی جاتی ہے کہ وہ اپنی قابل رحم حالت پر صبر و تحمل کے ساتھ قائم رہیں قدامت پسند برہمنوں کے لئے عوام کو مطیع و فرمانبردار بنانے کا یہ بہترین طریقہ ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ ہندومت میں دین کا مفہوم عجیب و غریب قالب اختیار کرگیا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ مذہب ایک اونچے طبقہ کو وجود بخشتا ہے جو اپنے آپ کو خدائی مرتبہ پر فائز تصور کرتا ہے جس کا کام ذلت و عیب میں گھرے عوام کو ارادۂ الٰہی کا دلاسہ دیکر قناعت کی تلقین نیز حالات و واقعات کے سیلاب میں بہنے کی دعوت ہوتی ہے۔

جہاں تک بدھ مذہب کا تعلق ہے تو اس سے مجھے عقل انسانی اور اس سے متعلق قوانین فطرت کے بارے میں بہت کچھ معلوم ہوا اور یہ بھی پتہ چلا کہ کائنات کو سائنٹفک تجربوں کی طرح سادہ طریقہ پر ایک کل سمجھنے کا طریقہ کیا ہے اور اس کے لئے کون سی قربانیاں پیش کرنا ضروری ہیں۔ اس سلسلہ میں ہم اس نتیجہ پر پہنچے کہ بدھ مذہب طبقاتی نظام کے خلاف شدید رد عمل کا مظاہرہ ہے لیکن افسوس کہ ہندومت و بدھ مذہب کسی میں متعین اخلاقی اصول نہ ملے میں نے اپنے اندر انسانی مرتبہ سے اونچا کرنے کی قوت پرواز چڑھنے کا طریقہ تو پایا لیکن مجھے یہ بھی یقین ہوگیا کہ یہ غیر مادی طاقتیں ہمارے مہذب روحانی مرتبہ پر فائز ہونے کی دلیل نہیں ہیں۔ اور اس ریاضت کی کاوشیں جذبات پر قابو پانے اور جذبات و خواہشات پر غلبہ حاصل کرنے کے ایک عملی طریقہ کے سوا کچھ نہیں ہے جیسا کہ قدیم زمانے کے رواقی فلاسفر نے کیا تھا، ان دونوں مذاہب میں اس کے خالق کا کوئی واضح تصور نہیں پایا ہے، بلکہ انھوں نے صرف اس طریقہ کو واضح کیا ہے جسے انسان اپنی نجات کے حصول کے لئے اختیار کرتا ہے باوجودیکہ بدھسٹ کے اعلیٰ نمونے ایثار و قربانی کی تعلیم دیتے ہیں جس سے ہم بدھ مذہب میں روحانیت کا ایک پہلو محسوس کرتے ہیں چنانچہ بدھ مت نظری اعتبار سے اس عالم کو بچا سکتا ہے لیکن ذہن میں ایک سوال ابھرتا ہے کہ جب یہ عقائد و افکار نظری اعتبار سے عالم کو بچانے پر قادر ہیں۔ تو عملی میدان میں ناکام کیوں رہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ عقاید ایسے نہ تھے جن میں عوام و خواص شریک ہوتے، بلکہ ایک خاص جماعت میں منحصر تھے چنانچہ مسیحیت اور بوذیت دونوں نے معاشرتی مسائل کو بے وقعت سمجھ کر اس سے بے اعتنائی برتی، ایک طرف مسیحی و بودھسٹ مادیت اور اس کے متعلقات ترک کرنے کا داعی ہے تو دوسری طرف معرفت حق کی تلاش میں مکمل نفس کشی پر زور دیتا ہے مجھے یقین کامل ہے کہ ان جیسے اصولوں کے ذریعہ اگر جد و جہد سے کام لیا جائے تو خدائے تعالیٰ تک پہنچنا ممکن ہے لیکن مجھے ساتھ ہی یہ بھی یقین ہے کہ بنی نوع انسانی کی ایک عظیم تعداد کا اس طرح مشقت جھیلنا اور پابندی برداشت کرنا ناممکن ہے جیسا کہ میرا اعتقاد ہے کہ یہ تعلیمات جاہل کاشتکاروں کے حالات سدھارنے میں ناکام ہوں گی اسی وجہ سے ان کی معاشرتی قدر و قیمت بالکل مفقود نظر آتی ہے اس طرح کی تعلیمات عالی روحانیت کے مالک چند غیر معمولی لوگوں کے لئے تو درست ہوسکتی ہیں لیکن عوامی سطح پر مختلف طبقات کو مخاطب بنانے اور ان تک رسائی میں بدترین ناکامی کا شکار ہونگی، یقیناً اس طرح کے عقائد ایک پسندیدہ ذہنی عمل سے بڑھ کر کچھ نہیں ہیں لیکن ان میں قومی ترقی اور اس کے روحانی، عقلی اور مادی سطح کو مختصر وقت میں بلند کرنے کی صلاحیت نہیں پائی جاتی ہے

انتہائی تعجب کی بات ہے کہ مجھے بعض اوقات عرب ممالک میں بھی رہنے کا اتفاق ہوا لیکن اس کے باوجود میں دوسرے مذاہب کی طرح اسلام کو اہمیت نہ دے سکا لیکن یہ بات ذہن نشین رہنی چاہئے کہ اسلام اور اس کی تعلیمات سے بے توجہی کا باعث سروڈیل کا مسخ شدہ قرآنی ترجمہ تھا حسن اتفاق کہ انھیں دنوں میں لندن کے ایک مسلمان مبلغ سے واقف ہوا، یہاں میں یہ بتانا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ عظیم عرب ممالک نے اسلام کی تبلیغ اور اس کی تعلیمات کی اشاعت کی کوشش ایسے ماحول میں نہیں کی جہاں اس کے نتائج متوقع تھے یہ منطقی نتیجہ ہے اس حزم و احتیاط کا جو اکثر مشرقی ممالک کے لوگ اجنبی ممالک میں اختیار کرتے ہیں جس کے نتیجہ میں بہت سے کام رازداری کے ساتھ کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ اس کے بعد مجھے ایک مسلمان عالم کے ترجمہ و تفسیر کردہ قرآن کریم کے انگریزی نسخہ کے مطالعہ کا موقع ملا نیز میں نے اسلام سے متعلق اہم کتابوں کا بھی مطالعہ کیا جس سے اسلام کی واضح تصویر میرے سامنے آئی اور میں نے وہ متاع گرانمایہ پالی جس کی تلاش میں سالوں بھٹکتا رہا تھا۔ حسن اتفاق مجھے نماز عید اور اس کی تقریبات میں شرکت کی بھی سعادت نصیب ہوئی اور قریب سے مسلمانوں کے عالمی اجتماعیت، آپسی میل ملاپ اور یکجہتی کو دیکھنے کا موقع ملا۔

یہاں اسلام عرب یا ترک یا کسی اور قوم میں محدود نہ تھا بلکہ وہ تو رنگ و نسل زبان و لغت اور اجتماعی طبقاتی دیواروں کو توڑ کر قافلۂ انسانیت کو ایمان و یقین، یکجہتی و اتحاد کا سبق دے رہا تھا۔ اس عظیم مجمع میں ہم نے امیر و غریب دونوں سے ملاقاتیں کیں، وہ تمام کبر و غرور، نفاق و خوشامد پسندی خود غرضی و تمسخر، تصنع و جانب داری سے کوسوں دور ظہرانہ کے دسترخوان پر تشریف فرما تھے ان اسلامی تعلیمات کی روشنی میں مجھے زندگی کے مختلف گوشوں اور پیچیدہ مسائل کا حل مل گیا جس سے تمام دوسرے افکار و نظریات قاصر تھے۔ تفصیل کا موقع نہیں صرف یہ تذکرہ کافی ہے کہ میں نے اسلام کو دنیا کے بڑے مذاہب کے مطالعہ اور انتہائی غور و فکر کے بعد اپنایا ہے۔ یہ الفاظ میرے مسلمان ہونے کے اسباب پر تو روشنی ڈال سکتے ہیں لیکن اسلام پر مجھے کتنا فخر و اعتقاد ہے اس کی ترجمانی نہیں کرسکتے۔ میں نے اسلامی تہذیب و ثقافت کا مطالعہ مغربی یونیورسٹی میں کیا، جس سے یہ حقیقت واشگاف ہوئی کہ اسلامی تہذیب یورپ کو قرون وسطیٰ کی تاریکی سے نکالنے میں کلیدی حیثیت رکھتی ہے، اور نئی دنیا اسلامی

(باقی صفحہ پر)

ندوہ کے شب و روز

طارق اختر

دس شوال کو دارالعلوم ندوۃ العلماء کھل گیا اور کثرت سے طلبہ کی آمد شروع ہوئی، موجودہ دور میں جبکہ مسلمان گھروں کے بچے تیزی سے شرک والحاد، بے دینی اور آوارگی کا شکار ہو رہے ہیں، ندوۃ العلماء اپنے نونہالوں کیلئے وسیع اور صحیح نہج پر ذہن سازی اور صحیح علمی وفکری بنیادیں فراہم کرنے میں مصروف ہے تاکہ وہ دعوتی واصلاحی میدان میں خوش اسلوبی سے خدمت انجام دینے کے قابل بن سکیں اور تعلیم وتربیت، ملت کی تنظیم، اسلامی فکر کے احیاء اور اسلام دشمن نظریات کے مقابلہ کے لئے ندوہ کے بانیوں کے متعین کئے ہوئے منہج کی اشاعت وترویج کی استعداد پیدا کرسکیں، اور اسلامی تربیت، علم نافع اور عصر حاضر کی معیاری زبان وادب کے ذریعہ دین کی تفہیم وتشریح اور ملت کی رہنمائی کا فرض انجام دے سکیں، ندوہ کی اس خصوصیت کی وجہ سے اس کی طرف رجوع برابر بڑھتا جا رہا ہے اور اس کثرت سے طلبہ کی آمد ہوتی ہے کہ جگہ کی تنگی کے سبب سے ہزاروں طلبہ کو واپس کرنا پڑتا ہے، نیا سال شروع ہوا اور طلبہ کی تمام سرگرمیاں شروع ہوگئیں۔

ندوۃ العلماء میں طلباء کی نشو ونما کے لئے مختلف انجمنیں سرگرم عمل ہیں، یہ انجمنیں ایک جامع لائحہ عمل اور واضح مقاصد رکھتی ہیں اس لئے تعلیمی سال کے آغاز کے ساتھ ہی ان انجمنوں کا متحرک ہوجانا بھی لازمی ہوتا ہے۔

جمعیۃ الاصلاح

یہ انجمن طلباء کے اندر زبان وقلم کی ادیبانہ وساحرانہ صلاحیتوں اور طاقتوں کو اجاگر کرتی ہے تاکہ طلباء اپنی صلاحیتوں کو ترقی دے کر قوم وملت کی دعوتی واصلاحی خدمت کے قابل بن سکیں۔

گذشتہ سالوں کی طرح اس سال بھی الاصلاح کے ذمہ داروں کی کابینہ منتخب کی گئی، اور اس کا افتتاحی جلسہ ۵ر ذی الحجہ ۱۴۱۲ھ کو الاصلاح کے پرشکوہ ہال میں زیر صدارت حضرت مولانا مدظلہ، منعقد ہوا، سب سے پہلے ناظم الاصلاح خالد خان ندوی نے انجمن کے تمام شعبوں کا مختصر لیکن جامع تعارف پیش کیا، اس کے بعد مربی ومشفق حضرت مولانا مدظلہ نے ایک ایمان افروز تقریر فرمائی، آپ نے ندوہ کے نصاب تعلیم کا ذکر کرتے ہوئے ان بانیان ندوہ کو بھی خراج تحسین پیش کیا جن کی دوربیں نگاہوں نے زمانہ کے بدلتے ہوئے حالات کو دیکھتے ہوئے اصلاح نصاب کا عظیم کارنامہ انجام دیا۔

حضرت مولانا نے انجمن الاصلاح کی افادیت، اور اس کے منتخب کتب خانہ کی تحسین بھی کی، اور موجودہ دور میں تقریر وتحریر کی افادیت کو بھی اجاگر کیا، آخر میں حضرت مولانا نے ہندوستانی مسلمانوں کی موجودہ حالت پر روشنی ڈالتے ہوئے مکاتب کے زیادہ سے زیادہ قیام پر زور دیا، اور بتایا کہ نئی نسل کو ارتداد سے بچانے کے لئے مکاتب کے جال پھیلا دیجئے، اور ان کے دینی تعلیم وتربیت کا نظم کیجئے، پھر حضرت مولانا ہی کی دعاء پر اس افتتاحی جلسہ کا اختتام ہوا۔

النادی العربی

النادی العربی طلباء کی عربی تحریر وتقریر کی مشق کے لئے ایک چھوٹا سا اسٹیج ہے جہاں طلباء تقریر وتحریر کی مشق کرتے ہیں۔ اس کا افتتاحی جلسہ ڈاکٹر عبد اللہ عباس ندوی کی صدارت میں منعقد ہوا، اس کے سکریٹری برادرم رحمت اللہ ندوی نے النادی کے مقاصد، طریقۂ کار اور اس کے شعبوں کا تعارف کراتے ہوئے طلباء کو شوق دلایا کہ دلچسپی کے ساتھ اس کے پروگراموں میں شریک ہوں، آخر میں صدر محترم نے عربی زبان کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے فرمایا کہ عربی زبان سے ہمارا تعلق مہد سے لحد تک ہے کیونکہ جب ہم پیدا ہوتے ہیں تو ہمارے کانوں میں اذان کہی جاتی ہے جو عربی میں ہے اور جب مرتے ہیں تو جنازہ کی نماز بھی عربی ہی میں ہوتی ہے۔ آپ نے فرمایا عربی زبان کے سلسلے میں ندوہ کا ایک امتیاز رہا ہے، آپ اپنے اس امتیاز کو نہ صرف برقرار رکھیں بلکہ اسے خوب سے خوب تر بنانے کی کوشش کریں۔

محبت اہل بیت

حضرت مجدد الف ثانیؒ

اس فقیر کے والد ماجد (مخدوم شیخ عبد الاحد فاروقی) جو کہ علم ظاہری وباطنی کے عالم تھے اکثر اوقات محبت اہل بیت کی ترغیب دیا کرتے تھے، اور فرماتے تھے کہ اس محبت کو سلامتیٔ خاتمہ میں بڑا دخل ہے، اس کا بہت خیال رکھا جائے ان کے مرض موت میں فقیر حاضر تھا۔ جب ان کا آخری وقت ہوا اور اس عالم فانی کا شعور کم ہوگیا اس وقت فقیر نے ان کو یہ بات یاد دلائی اور محبت اہل بیت کا استفسار کیا، فرمایا کہ "میں محبت اہل بیت میں غرق ہوں" اس وقت اللہ کا شکر ادا کیا گیا۔

محبت اہل بیت تو سرمایۂ اہل سنت ہے، مخالفین اس حقیقت سے غافل اور ان کی اعتدالی محبت سے ناواقف ہیں (مخالفین نے) جانب افراط کو اختیار کرلیا اور افراط کے علاوہ کو تفریط جان بیٹھے اور اس پر خارجی کا حکم لگا دیا....... یہ نہ سوچا کہ افراط و تفریط کے درمیان ایک اور حد بھی ہے وسط (جس کو حد اعتدال کہتے ہیں) جو مرکز حق اور جائے صدق ہے اور جو اہل سنت کو نصیب ہے....... یہ کس قسم کی محبت ہے کہ اس کا حاصل ہوجانا جانشینان پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحاب کرامؓ سے بیزاری اور ان پر لعن طعن پر ہی موقوف ہے۔

(مکتوبات حضرت مجدد الف ثانیؒ جلد دوم)

بقیہ: فسانہ عفلق کا

لہٰذا میشل عفلق اور اس کی بیوی نے سوچ سمجھ کر اس مہم کو سر کرنے کی ذمہ داری اپنے سر لے لی (اور مشاہدہ کرنے والوں نے مشاہدہ کیا کہ) ان لوگوں نے پوری پوری قوم کا کس طرح استغلال کیا اور صاحب اقتدار حکام جن سے ذرا بھی خطرہ تھا ان کو بڑی حکمت عملی سے اپنے ساتھ اس طرح ملالیا کہ جب ایمان سے تہی دست عرب اور یہودیوں کے درمیان جنگ ہوئی تو عربوں کو پیہم شکستوں کا سامنا کرنا پڑا۔

میں سمجھتا ہوں کہ میشل عفلق کی تنہا ذات کامیاب صلیبی حملہ کی حیثیت رکھتی ہے اس نے اپنی مکار وعیار بیوی کی مدد سے عربوں کی وہ شرمناک قیادت کی ہے کہ جس کے نتیجہ میں آج تک یہ امت قعر مذلت سے پوری طرح نہ نکل سکی اس سازش کو عملی جامہ پہنانے کے لئے انھیں صرف اتنا کرنا پڑا اس نے ایک بیٹے کا نام محمد اور دوسرے کا علی رکھ دیا اور بس۔ نوع بشری کی طویل ترین تاریخ میں جس بھونڈے پن سے امت اسلامیہ کو بیوقوف بنایا جاتا رہا ہے اس کی مثال ملنی مشکل ہے حیرت ہے کہ ان کالے دنوں میں بھی بغداد میں اس نے اس دجال اکبر میشل عفلق کی مزار تعمیر کی ہے تاکہ اس کی زیارت کی جاسکے اور اس پر فاتحہ خوانی ہوسکے خامہ انگشت بدنداں ہے اسے کیا لکھئے؟ اس کے باوجود حال یہ ہے کہ پوری امت اسلامیہ عفلق حامیوں اور عفلق ناشناسوں کے درمیان بٹی ہوئی ہے اسرائیل اپنے قائدین کے سلسلہ میں کتنا خوش قسمت واقع ہوا ہے کہ اس کی لگائی ہوئی آگ آج بھی شعلہ زن ہے جس سے اسرائیل گرمی اور روشنی دونوں حاصل کر رہا ہے۔

عید الاضحیٰ کی تعطیل

اس سال گرمی کی شدت کے سبب بقرعید کی چھٹیوں میں اضافہ کردیا گیا۔ لہٰذا خلاف معمول اس سال بقرعید کی تعطیل ۱۰ر تا ۳۰ر جون یعنی بیس دنوں تک رہی، یکم جولائی کو تعطیل ختم ہوئی اور طلبہ جوق درجوق ندوہ پہونچنے لگے اور ندوہ کی سرگرمیاں پھر سے شروع ہوگئیں۔

بقیہ: درس حدیث

ابوداؤد میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"حسد سے بچو، حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جیسے آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے۔" راوی کو شک ہوا کہ آپ نے لکڑی کے بجائے گھاس کا لفظ فرمایا۔

ان مطالب کی وضاحت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف مناسبتوں سے فرمائی ہے اور شبہات کو دور فرمایا ہے چنانچہ ایک موقع پر فرمایا:

"قابل رشک دو ہی طرح کے آدمی ہیں، ایک وہ جس کو اللہ تعالیٰ مال دے اور وہ رات دن اللہ کی راہ میں لٹائے، دوسرا وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے کلام پاک کا علم عطا فرمایا وہ اس پر دن رات عمل کرتا ہے" اس کو عربی میں غبطہ کہا جاتا ہے جو اردو میں رشک کہلاتا ہے۔ اس کے لئے حسد کا لفظ استعارہ کے طور پر معنی میں مشابہت کی وجہ کہہ دیا گیا۔

حسد کے شر سے بچنے کے لئے ایک شکل یہ ہے کہ جب کسی کے خلاف دل میں حسد پیدا ہو تو اس حسد کو دل سے نکالنے کی فکر کرے، اگر دل کی اس حالت پر قابو نہ پاسکے تو محسود (یعنی جس سے حسد ہے) کے ساتھ حسن سلوک کرے۔ اس کے لئے دعا کرے اس کی خوبیوں کو لوگوں میں بیان کرے، یہ ایمان کا اعلیٰ ترین درجہ ہے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مزید فرماتے ہیں کہ (آپس میں بغض وعداوت نہ رکھو) اس مہلک وبدترین بیماری سے مسلمانوں کو ڈراتے اور آگاہ فرماتے ہیں کہ کہیں یہ خطرناک مرض مسلم معاشرہ میں راہ نہ پاجائے جو ان کے اندر افتراق وانتشار پیدا کردے، اس لئے کہ تمام مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے باہم بھائی بھائی بنا دیا ہے اور بھائی آپس میں محبت کرتے ہیں باہم غصہ ودشمنی نہیں رکھتے ہیں۔

آپ صلی علیہ وسلم نے اس مہلک مرض سے محفوظ رہنے اور بچنے کا علاج بھی کھول کر بیان فرما دیا ہے، آپ نے فرمایا: (اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم لوگ جنت میں اس وقت تک نہیں داخل ہوسکتے جب تک کہ مؤمن نہ بن جاؤ اور مؤمن اس وقت تک نہیں بن سکتے جب تک کہ باہم پیار ومحبت نہ پیدا کرو، کیا میں تم کو ایسی چیز نہ بتادوں کہ اگر اس کو کرلو تو باہم محبت پیدا ہوجائے گی، آپس میں ایک دوسرے کو سلام کیا کرو۔ پھر آپ نے فرمایا آپس میں ناراضگی اور قطع تعلق نہ پیدا کرو، حضرت امام مالکؒ نے فرمایا کہ بے رخی اور قطع تعلق کا خاتمہ محبت کو اپنائے بغیر نہیں ہوسکتا کہ اگر کسی وقت ناراضگی اور قطع تعلق کا کوئی سبب پیدا ہو تو محبت کا سہارا لے کر اس کو ختم کر دیا جائے۔

حدیث کے اخیر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ہوجاؤ اللہ کے بندے بھائی بھائی)۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ اس سے قبل جو چیزیں بتائی گئی ہیں اگر ان کو چھوڑ دیا جائے تو آپس میں بھائیوں کی سی محبت پیدا ہوجائے گی۔ ایسے ہی جیسے اللہ تعالیٰ نے بندوں کے دلوں کو باہم جوڑنے اور ملانے کا احسان یاد دلاتے ہوئے فرمایا ہے:

"اُذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا" [۲]

آل عمران ۱۰۳

اور خدا کی مہربانی کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی اور تم اس کی مہربانی سے بھائی بھائی ہوگئے۔

حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ ایسی جماعت کا وجود ضروری ہے جو ان دو اہم بنیادی چیزوں کی حامل ہو، اللہ پر ایمان اور اللہ ہی کے لئے محبت، تاکہ وہ ایمان وتقویٰ اور پھر محبت والفت کی طاقت سے دشوار وپرمشقت کام کو انجام دے سکے اس کو سہار سکے، یہ دونوں چیزیں وقت کی اہم ضرورتوں میں سے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے مسلم معاشرہ کے ساتھ جوڑ دیا ہے اور مسلم معاشرہ کو اس کا ذمہ دار بنایا ہے۔

حدیث سے فقہی استنباط

نجش (یعنی دام بڑھانا) حرام اور دھوکہ ہے امام بخاریؒ نے فرمایا: ناجش (یعنی دام بڑھانے والا) سود خور، خائن ہے۔ یہ دھوکہ ہے، غلط ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نجش سے منع فرمایا ہے (متفق علیہ)

اس حرمت کا سبب یہ ہے کہ اس سے مشتری کو دھوکہ دینا اور نقصان پہنچانا لازم آتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ (دھوکہ دہی آگ میں ہے) اگر کسی نے نجش کے ذریعہ کوئی چیز خریدی تو اکثر علماء کے نزدیک جائز ہے، امام شافعی اور اہل رائے بھی بیع کو صحیح قرار دینے والے علماء میں شامل ہیں، امام احمد اس بیع کو باطل قرار دیتے ہیں، ابوبکر نے بھی اسی کو اپنایا ہے، امام مالک کا بھی یہی قول ہے، یہ حضرات کہتے ہیں اس انداز کی بیع سے روکنے میں فساد پیدا ہوگا۔ [۵]

حدیث سے معلوم ہوتا ہے

۱۔ یہ حدیث پاک اخوت وبھائی چارگی پر زور دیتی ہے اور اس اہمیت کو واضح کرتی ہے اور ان تمام ذرائع کو ختم کرتی ہے جو اخوت کے شیرازہ کو پارہ پارہ کرتے ہیں، ان میں سب سے اہم چیز بدگمانی، دولت کی ٹوہ میں لگنا مادہ پرستی اور نفع اندوزی کا جذبہ ہے، ایسے معاشرہ کو وجود میں لانا ہمارے لئے کتنا بہتر ہے جس میں باہم میل ومحبت پایا جاتا ہو، معاملات خلوص دل کے ساتھ کئے جاتے ہوں، ہم ایسے سماج وسوسائٹی کے کتنے ضرورتمند ہیں جو بھائی چارہ کے وسیع مفہوم کو سمجھتا ہو اور اس کو عملی جامہ پہنانے کے لئے کوشاں ہو۔

۲۔ یہ حدیث مسلمانوں کے حقوق کا احترام ملحوظ رکھنے کا سبق دیتی ہے کوئی سودا کر رہا ہے، لین دین کی بات کر رہا ہے تو جب تک وہ اپنی گفتگو ختم نہ کر دے لینے نہ لینے کا فیصلہ نہ کرلے دوسرے کو اس سودے میں بھاؤ تاؤ کرنے کی اجازت نہیں کہ دو آدمی جائز حدود میں لین دین کی جو بات کرچکے ہیں اس میں دخل دے کر ان کے احساسات کو مجروح کرے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"خبردار نہ اپنے بھائی کے سودے کے وقت اپنا سودا بیچو نہ اپنے بھائی کے پیغام نکاح پر اپنا پیغام دو۔"

۱۔ حجرات ۱۲
۲۔ تفسیر ابن ... ۳۲۶
۳۔ جامع العلوم والحکم ۲۹۹
۴۔ المغنی لابن قدامہ ج ۴ ص ...
۵۔ المغنی لابن قدامہ ج ... ص ...

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی ایک عظیم وشاہکار تصنیف:

تاریخ دعوت وعزیمت

تاریخ اسلام میں دعوت وعزیمت، تبلیغ واصلاح اور سعی وجہاد کی کڑیاں یکجا نہیں بلکہ بکھری ہوئی ہیں، جن سے ان کے عدم تسلسل کا شبہ ہوتا ہے، جو ملت کی خود اعتمادی اور ولولۂ کار کے لئے سم قاتل ہے مصنف مدظلہ نے اس عظیم اور تابناک تاریخ کو تسلسل اور حقیقت پسندی کے ساتھ پیش کیا ہے اور اس سلسلۂ کتب میں یہ دکھایا ہے کہ تاریخ امت کا کوئی دور اہل دعوت وعزیمت سے خالی نہیں رہا، مولانا ابوالحسن علی ندوی کے مؤرخانہ، ادیبانہ، عالمانہ قلم سے یہ داستان اور تاریخ جس طرح لکھی گئی ہے، اس کا صحیح اندازہ پڑھنے کے بعد ہی ہوسکتا ہے ہمارے علم میں کسی اسلامی زبان میں اسلام کی اصلاحی وتجدیدی کوششوں کی ایسی مرتب ومسلسل روداد علمی انداز بیان میں پیش نہیں ہوئی، اس میں روایتی انداز میں صرف تذکرہ نگاری نہیں بلکہ مجددین اسلام کے کارناموں کو صحیح پس منظر میں رکھ کر ان کا تجزیہ کیا گیا ہے اور اہل دعوت وعزیمت (امام غزالیؒ، شیخ عبد القادر جیلانیؒ، علامہ ابن جوزیؒ، علامہ ابن تیمیہؒ، شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ، خواجہ نظام الدین اولیاءؒ، حضرت مجدد الف ثانی، حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور حضرت سید احمد شہیدؒ) کی اہم تحریروں اور صحیفوں کے ہزاروں صفحات کا خلاصہ پیش کیا گیا ہے، جن کا مطالعہ صرف اہل علم تک محدود ہے، ایک تاریخ جو عام تاریخوں میں نہیں پائی جاتی جو ولولہ خیز بھی ہے اور فکر انگیز بھی

قیمت مکمل ایک سیٹ از حصہ اول تا حصہ ششم
بشمول سیرت سید احمد شہید چار سو پچیس روپے (Rs. 425/-)

نوٹ: صرف قیمت کتب پیشگی وصول ہونے پر کتابیں رجسٹرڈ ڈاک خرچ کی رعایت سے بھیجی جائیں گی۔

مجلس تحقیقات ونشریات اسلام پوسٹ بکس ۱۱۹ ندوۃ العلماء لکھنؤ